جلد 7 شمارہ 5 جولائی 2005ء جمادی الاول 1426ھ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

اللہ

محبت

ہدایت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

Registerd

CPL No. 491

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ماہنامہ گوجرانوالہ
آدمیت سے فلاح
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 7 شمارہ 5 جولائی 2005ء جمادی الاول 1426ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ———— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-862835
Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

خلافت کا جو تصور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ سب خدا کے عطا کردہ ہیں۔ خدا نے انسان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیارات سے اس کی زمین میں استعمال کرے۔ اس لئے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں ارشاد ہے:

”(اے انسان) ہم نے تمھیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمھارے لئے اس میں سامان زیست فراہم کیے۔،،

خلافت صحیح اور جائز صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ یہ مالک حقیقی کے حکم کی تابع ہو۔ اس سے روگردانی کر کے جو خود مختارانہ نظام حکومت بنایا جائے وہ خلافت کی بجائے بغاوت بن جاتا ہے۔ خلیفہ کے انتخاب میں جن صفات کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں۔

1۔ وہ اس اصول کو مانتا ہو جس کے مطابق خلافت کا نظام چلانے کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جا رہی ہے۔ اس لئے نظام چلانے کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی جاسکتی جو اس کا اصولی مخالف ہو۔

2۔ یہ کہ وہ ظالم، فاسق و فاجر، خدا سے غافل اور حد سے گزرنے والا نہ ہو بلکہ ایمان دار، خدا ترس اور نیکوکار ہو۔ کوئی ظالم یا فاسق اگر منصب خلافت پر فائز ہو بھی جائے تو اسلام کی نگاہ میں اس کی خلافت باطل ہے۔

3۔ وہ نادان اور جاہل نہ ہو بلکہ ذی علم، دانا اور معاملہ فہم اور کاروبار خلافت چلانے کیلئے کافی ذہنی اور جسمانی اہلیت رکھتا ہو۔

4۔ وہ ایسا امانتدار ہو کہ اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ اعتماد کے ساتھ رکھا جا سکے۔

خلافت راشدہ میں خلافت کیلئے خود کو اہل سمجھنے یا اقتدار میں آنے کیلئے کوشش اور تدبیریں کرنے والے شخص کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ لوگ جس کو خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل سمجھیں باہمی مشورے سے اقتدار اس کے سپرد کر دیں۔ بیعت اقتدار کا باعث نہیں بلکہ اس کا سبب ہو۔ بیعت حاصل کرنے میں آدمی کی اپنی کسی سازش یا کوشش کا عمل دخل نہ ہو۔ لوگ

کسی کو لوگوں کی آزادانہ رضامندی سے بیعت
بیعت کرنے کیلئے مکمل آزاد ہوں۔ اور جب تک
حاصل نہ ہو وہ برسر اقتدار نہ آئے۔ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق
کسی نے بھی خلافت حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔
خلیفہ منتخب ہوا۔ ان میں
یہ وہ اصول ہیں جن کے تحت خلافت راشدہ کا نظام چلتا رہا۔ لیکن جب ان اصولوں سے
انحراف کیا گیا تو خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ ملوکیت کو برقرار رکھنے کیلئے تمام اصولوں کو پس پشت
ڈال دیا گیا۔ تاریخ اسلام جاہ پرست حکمرانوں کے ایسے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ جن کو
پڑھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ اس کو اسلام کی تاریخ نہیں بلکہ ملوکیت کی تاریخ کہنا
چاہئے۔ انہی واقعات میں سے ایک واقعہ شہادت سیدنا حسینؓ کا ہے۔ جنہوں نے ملوکیت کا
راستہ روکنے کیلئے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ خلافت کی اہلیت کیلئے جن اصولوں کو مدنظر رکھا
جاتا تھا۔ یزید کی خلافت ان اصولوں کو پامال کر کے معرض وجود میں آئی تھی۔ اس نے لوگوں سے
بیعت حاصل کرنے کیلئے بے شمار مظالم ڈھائے۔ امام حسینؓ ان تمام باتوں سے بے خبر نہیں تھے۔
ان کو یہ گوارا نہیں تھا کہ کوئی شخص اقتدار کی خاطر اسلام کے تمام اصول و قاعدے پس پشت ڈال
دے۔ انہوں نے اس شخصی اقتدار کے خاتمہ کیلئے اپنی اور اپنے خاندان کی قربانی پیش کی۔ تاریخ
جہاں ملوکیت کے سیاہ کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ وہاں اہل حق کی قربانیوں کا ایک نہ ختم
ہونے والا سلسلہ بھی موجود ہے۔ سیدنا حسینؓ کی شہادت اہل حق کا طرہ امتیاز ہے۔ موجودہ دور
میں باطل کا مقابلہ کرنیکے لئے ایسے ہی جذبے کی ضرورت ہے۔ قربانیوں کے بغیر اس دنیا میں
سرفرازی ملنا ناممکن ہے۔ تمام مسلم امہ کو اپنی نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال کر اللہ کے دین کی
سربلندی کیلئے جان و مال سے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

والسلام

وحید احمد

قرآن مجید فہم وتدبر سے پڑھنے کی اہمیت

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

الر کتب انزلنه الیك لتخرج الناس من الظلمت الی النوره

"الر۔۔۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تا کہ تم لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئے"۔(ابراہیم۔1)

قرآن پاک سرچشمہ ہدایت ہے اور بارگاہِ ایزدی تک پہنچنے کا وسیلہ بھی۔لیکن اس کا فیض ہم تک صرف اس صورت میں پہنچے گا اگر ہم اس میں تدبر و تفکر کریں اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ہم پر قرآن پاک کے چند حقوق ہیں۔ان میں سے ایک حق اس کی تلاوت کا ہے۔یہاں تلاوت سے مُراد صرف پڑھ لینا ہی نہیں بلکہ اس میں غور و فکر کرنا اور پھر اس کی پیروی کرنا مقصود ہے۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالهاه

" قرآن میں یہ لوگ کیوں تدبر نہیں کرتے، کیا اِن لوگوں کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں"۔ (محمد : 24)

قرآن پاک وہ کتاب ہے جو تمام آسمانی صحائف اور کتابوں کا نچوڑ ہے۔دنیا میں جتنے بھی رسول اور پیغمبر آئے ،اُن پر اللہ تعالیٰ نے صحائف اور کتابیں نازل کیں جو مختلف علاقوں میں آباد مختلف قوموں پر اُتاری گئیں۔قرآن حکیم ان سب کتابوں اور صحائف کا لُبِ لباب ہے اور یہ حتمی صورت میں آ چکا ہے۔

کلام الٰہی کی تاثیر کے بارے میں قرآن ہی میں ارشاد ہوتا ہے۔

لوانزلنا هذا القران علی جبل لرایته خاشعا متصدعاًمن خشیة اللهِ

"اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اِسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو رہا ہے،،۔(الحشر:21)

لیکن انسان اسی قرآن سے صرف نظر کرتا ہے اور اِس کو دل کی گہرائیوں میں اُترنے نہیں دیتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا دل پتھر بن جاتا ہے۔

سورۃ بقرہ میں فرمان ہے:۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذلك o

(البقرہ: 84)

"پھر تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے"۔

بلکہ اگر کہا جائے کہ دل پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے تو زیادہ درست ہو گا۔ کیونکہ پتھر تو اللہ جل شانہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور اُن سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، لیکن انسانوں کے دل تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی خالق و مالک کے کلام کو نہ توجہ سے سنتے ہیں اور نہ غور سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے نہ تو ان کے دلوں سے کوئی چشمہ پھوٹتا ہے اور نہ ہی کسی کو فیض ملتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب

تو ازو کامے کہ می کواہی بیاب

قرآن پاک ہمارے دستورِ حیات کی حیثیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا تو اُس وقت فرمایا:۔

فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون o (البقرہ: 38)

"دیکھو جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی، اُن کو نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے"۔

مختلف زمانوں اور مختلف ادوار میں انسانوں پر جو ہدایات، احکامات اور تعلیمات نازل ہوتی رہی ہیں، اُن سب کا نچوڑ قرآنِ مجید میں موجود ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

هوالذی بعث فی الامین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین o (الجمعہ: 2)

"وہی تو ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں اُنہی (کی قوم) میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو پاک کرتے ہیں اور

(اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

ان چار کاموں کی تشریح

قرآن مجید میں یہ آیت چار جگہوں پر آتی ہے۔ اِس میں یہ بیان کیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کو ان چار کاموں کے لئے بھیجا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یہ چار کام لوگوں کو کر کے دکھائے۔

1۔ تلاوتِ آیات

سب سے پہلے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اتنے موثر انداز میں فرمائی کہ پورے عرب کا منہ بند ہو گیا اور بڑے بڑے شاعروں کی حیثیت ماند پڑ گئی۔ زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر جس کے شعر سننے پر لوگ سجدے میں گر جایا کرتے تھے، اُس سے پوچھا گیا کہ تم نے شعر کہنا کیوں بند کر دیئے؟

وہ کہنے لگا: **اضبعد القرآن** ''کیا قرآن کے بعد بھی کسی شاعری کی گنجائش رہ گئی؟''

سب سے پہلے حضور ﷺ نے قرآن مجید کی خود تلاوت کی اور لوگوں سے کروائی۔ لیکن تلاوت تدبّر اور تذکّر کے ساتھ! ویسے بھی وہ لوگ عرب تھے، اس لئے قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھا کرتے تھے۔

2۔ تزکیہ

دوسرا کام یہ کیا کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعہ تزکیہءقلوب اور تطہیرِ نفوس کا عمل عظیم پایہء تکمیل تک پہنچایا۔ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے تربیتی کورس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ نصف شب یا اس سے کم وبیش اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کریں اور نوافل کے دوران میں ترتیل کے ساتھ تلاوتِ قرآن کرتے رہیں۔ یہ عمل صحابہ کرامؓ پر تقریباً ڈیڑھ سال تک فرض رہا۔ پھر سنت مئوکدہ کے درجے میں آ گیا۔ حضور اکرم ﷺ پر یہ عمل پوری زندگی فرض رہا آپ تلاوت کے دوران میں رحمت کی آیات پہ رحمت کی دعائیں مانگتے، غصہ وغضب کی آیات پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے۔ یوں تلاوت و دُعا آپس میں مل جاتیں اور شدید گریہ کی کیفیت طاری ہوتی۔ اس کیفیت کو تزکیہ وتطہیر کا بہترین ذریعہ قرار دیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یاایھا المزمل ○ قم الیل الا قلیلا ○ نصفہ او انقص منہ قلیلا ○ او زد علیہ ورتل القران ترتیلا ○ انا سنلقی علیک قولا ثقیلا ○ ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطا واقوم قیلا ○

"اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو قیام کرو تھوڑی سی رات یا اس سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے (مراد قرآن پاک ہے) کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفسِ حیوانی کو) سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی درست ہوتا ہے۔" (المزمل 1 تا 6)

قرآن کے متعلق فرمایا گیا:۔

شفاء لما فی الصدور ○

"دلوں میں جو بیماریاں ہیں، اُن کے لئے شفاء ہے"۔ (یونس: 57)

تو ہم کہ سکتے ہیں کہ تزکیہ کا اصل ذریعہ قرآن ہی ہے۔

3۔ تعلیم الکتاب

تیسرا کام یہ کیا کہ اُن کو اللہ کی کتاب کی تفصیل کے ساتھ تعلیم دی اور اس سے متعلقہ احکام بتا دیئے کہ یہ تمہارے کرنے کے کام ہیں اور یہ نہ کرنے کے کام ہیں، یہ ضروری و جائز ہیں اور یہ حرام ہیں۔

تیسرا کام یعنی "تعلیم الکتاب" پندرہ سال بعد اپنے جوبن پہ آیا۔ تیرہ سال مکہ میں اور پھر دو سال مدینے میں گزار دیئے۔ اس کے بعد قرآن کے احکامات نازل ہونا شروع ہوئے کہ حلال اور حرام کیا ہے؟

حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے "اپنی ساری عبادتیں اور مناسک مجھ سے لے لو"۔ (مسلم)

مناسک اور احکامِ شریعت کی تفصیلی تعلیم اسی زمانے میں دی گئی۔ کیونکہ ان پر صحیح طور پر عمل اسی صورت ممکن تھا جب ایک اسلامی معاشرہ اپنے ارتقاء کی منازل طے کرنے کے بعد تشکیل پا چکا ہو۔

4۔ تعلیم الحکمۃ

چوتھا کام یہ کیا کہ لوگوں کو اللہ جل شانہ، کی اِس کتاب کے مطابق زندگی گزار کر دکھادی کہ زندگی گزارنے کا حکیمانہ اور دانشمندانہ طریقہ یہ ہے اِسے سنت کہتے ہیں۔سنت سے مُراد تین چیزیں ہیں۔

1۔ حضور اکرم ﷺ کا قول

2۔ آپ ﷺ کا عمل۔

3۔ کسی معاملہ میں آپ ﷺ کی خاموشی۔یعنی آپ ﷺ نے کوئی بات یا کوئی عمل ہوتے ہوئے دیکھا یا سنا اور اُس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اُسے برقرار رکھا۔''تقریر'' کہتے ہیں۔

غورطلب امر

ایک غورطلب امر یہ ہے کہ یہی اول الذکر دو کام ہیں جو ہم نے چھوڑ دیئے ہیں۔ثانی الذکر دو کام یعنی تعلیم الکتاب اور تعلیم الحکمۃ جو کہ پہلے دو کاموں کے بغیر نہیں ہوسکتے ،اُن پر ہم زور دے رہے ہیں اور وہ بھی ناقص طریقے سے۔مزید برآں دینی مدرسوں میں فنون تو پڑھائے جاتے ہیں،یعنی منطق،فلسفہ،ہیئت،ریاضی وغیرہ لیکن قرآن وسنت کی تدریس میں کوتاہی ہورہی ہے۔ دوسری جانب یونیورسٹی میں بی اے کی سطح تک ''اسلامیات'' موجود ہے لیکن قرآن نصاب سے خارج ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آٹھ دس سال کی محنت شاقہ کے بعد جو شخص تعلیم سے فارغ ہو کر نکلتا ہے،اُسے سب کچھ آتا ہے مگر وہ قرآن سے نابلد ہوتا ہے،قرآن پڑھنے پڑھانے کا ذوق اُس میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا،چونکہ تلاوت اور تزکیہ کا کام بالکل صفر ہے۔اِس لئے اس میں یہ ذوق فراواں نہیں ہوتا کہ وہ قرآن مجید کو شروع سے آخر تک پڑھے تو اُس کی روح پھڑک اُٹھے یا وہ قرآن کو صبح،شام اور سونے سے پہلے پڑھے،اُس کی آیات پر غور وفکر کرکے آنسو بہائے یا پھر ایسا ذوق وشوق ہو کہ قرآن کی آیات اُس سے باتیں کریں،وہ اللہ سے ہمکلام ہونے لگے۔ قرآن تو اللہ کا کلام ہے،آپ اگر اُسے سمجھ کر پڑھیں تو ایک ایک آیت مبارکہ سمجھ میں آتی چلی جائے گی۔جب انسان اللہ سے ہمکلام ہوگا تو اِس سے اس کی شخصیت پاک ہوتی چلی جائے گی۔ یہ کام ہم سے چھوٹ گیا ہے اور ہم سے کیا،پورے عالم اسلام میں یہ کام نہیں ہورہا۔لوگ تلاوت کرتے ہیں مگر بغیر سوچے سمجھے،بغیر فکر وتدبر کے اور جنھوں نے کچھ عربی زبان پڑھ لی ہے اور قرآن کو سمجھنے لگے ہیں تو انہوں نے چند آیات مناظرے کے لئے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔

باقی قرآن اُن کے نصاب ہی سے خارج ہے حالانکہ قرآن کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے:۔

إن في ذلك لذكرى لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد

"جو شخص دلِ (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے، اُس کیلئے اس میں نصیحت ہے" (سورہ ق : 37)

تبصرة وذكرى لكل عبد منيب o (سورہ ق : 8)

"رجوع کرنے والے بندے کیلئے یہ ہدایت اور نصیحت (کا پیغام) ہے"۔

یعنی قرآن ہر رجوع کرنے والے بندے کی آنکھیں کھول دینے والا اور دل میں اللہ کی یاد بٹھا دینے والا کلام ہے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ایک دفعہ قرآن کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے اور پھر اُسے حرزِ جاں بنالیا جائے۔

ایک اہم واقعہ

راقم جب سعودی عرب میں پڑھاتا تھا تو اُس دوران میں ایک بی اے کا عرب طالب علم آیا، اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کہنے لگا کہ میں اتنی شدید پریشانیوں میں مبتلا ہوں کہ زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں۔ آپ سے اللہ کے نام پر محبت ہے اور جو کچھ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کسی اور کو نہیں بتا سکتا۔ آپ میرے لئے کچھ تجویز کریں، کوئی وظیفہ یا دعا فرمائیں۔ میں نے جب اس کی محبت اور لجاجت بھری کیفیت دیکھی تو میں نے کہا کہ ابھی ابھی اللہ نے میرے دل میں ایک بات ڈالی ہے، میری بات کو غور سے سننا اور اُس پر عمل کرنے کی سعی کرنا۔ تمہیں جو بھی پریشانی ہے اور جس عذاب سے بھی تم گزر رہے ہو، تمہیں اُس میں نجات کا راستہ مل جائے گا۔ میں نے اُسے بتایا کہ تم عرب ہونے کے ناطے عربی سے تو واقف ہو، ایسا کرو کہ قرآن کو ابتداء سے سمجھ کر پڑھنا شروع کر دو، لیکن آنکھیں کھول کر، بقائمی ہوش و حواس اور دل کے دروازے کھول کر پڑھنا۔ یونہی پڑھتے پڑھتے تمہارے سامنے ایک آیت آ جائے گی اور یہ آیت تمہیں خود بتائے گی کہ میں تمہارا علاج ہوں۔ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہنا۔ جب طبیعت سیر ہو جائے تو پھر آگے چلنا، تلاوت کرتے چلے جانا۔ پھر ایک آیت آئے گی جو تم کو خود سے ہمکلام ہوتی ہوئی محسوس ہوگی، خود تمہیں پکارے گی کہ مجھے پڑھو، میں تمہارا علاج ہوں۔ اس آیت کو بار بار پڑھنا

نہیں کسی سے پوچھنے کی قطعاً حاجت نہیں ہوگی، خود وہ آیت تمہیں کہے گی کہ مجھے بار بار پڑھ۔ تم وہاں رُک کر کثرت سے اُس کی تلاوت کرنا، بار بار دل کی گہرائی سے، محبت اور تڑپ سے پڑھنا اور جب طبیعت میں ٹھنڈک اور سیری محسوس ہونے لگے تو آگے چل دینا اور یونہی چلتے چلتے قرآن مجید ختم کر لینا، پھر آ کے مجھے ملنا۔

وہ طالب علم یہ عمل کرنے کے بعد میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ آپ مجھے تھپڑ ماریں گے تو میں آپ کے پاؤں چوم لیتا۔ میرے گھر کے اندر علاج موجود تھا اور مجھے علم ہی نہیں تھا۔ کہنے لگا کہ تمام مسائل حل ہو گئے ہیں اور اب میں انشاءاللہ قرآن کو یونہی پڑھتا رہوں گا۔ ایک بات یہ ہے کہ اُس کو ملکہ حاصل تھا کہ وہ قرآن کی زبان کو جانتا تھا۔ مفہوم جاننے کے بعد اس نے قرآن کو آنکھیں کھول کر پڑھا، ایک ایک آیت کو ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا، تو اس کے سارے مسائل حل ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی یہ آیات اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغامات ہیں۔ یہ اللہ کی ٹیلی گرامز ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو کبھی پڑھ کر نہ دیکھیں۔ تلاوت اور تزکیہ کا عمل کرنے کی بجائے ہم تعلیم الکتاب اور تعلیم الحکمت کی طرف سے ابتدا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس عمل کو بہت کم لوگوں نے کیا ہے لیکن جتنے لوگوں نے بھی کیا، میں اُن کی خدمت میں عرض کروں گا کہ ٹھیک ترتیب سے آیئے۔ پہلا کام قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کا ہے۔ اپنے شاگردوں کو اتنی عربی پڑھایئے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھ کر اُس کی تلاوت کر سکیں۔ جب قرآن مجید پڑھیں تو اس فرقان حمید کی آیات اُن سے ہم کلام ہوں، وہ کچھ سمجھ کے پیغام وصول کر رہے ہوں، بات اُن کے دلوں میں اُتر رہی ہو۔ اِس عمل کے بغیر شاید تلاوت کا ثواب حاصل ہو جاتا ہو لیکن مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

(جاری ہے)

ہمارے عقائد

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

سلسلہ توحیدیہ کے ارکان کا فرض ہے کہ حسب ذیل عقائد پر ایمان و یقین کامل رکھیں اور ان یقین کو ہمیشہ پختہ سے پختہ تر بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔

۱۔ اللہ ایک ہے یعنی وہ ذات و صفات میں ہر لحاظ سے بے مثل اور یکتا و یگانہ ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ہر قسم کے نقص اور خامی سے بری ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے سوائے اس کے کائنات میں جتنی چیزیں غائب اور ظاہر ہیں سب اُس کی مخلوق ہیں وہ اپنی مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ جس کو چاہے پیدا کرے۔ جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلت دے۔ یہ قدرت مخلوق میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔ صاحب اختیار لوگ مثلاً حاکمان وقت لوگوں کو فائدہ اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں یہ طاقت بھی اُن کو اللہ ہی نے دی ہے۔ ان کی اپنی ذاتی نہیں ہے اور اسی لئے ہم کو ان کی واجبی عزت اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اسی طرح انبیاء اور اولیاء سے لوگوں کو جو فائدے پہنچے اور پہنچتے ہیں اور جو معجزے اور کشف و کرامات اُن سے ظاہر ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں یہ سب اللہ ہی کی دی ہوئی طاقت سے ہوئیں اور ہوں گی جب اللہ چاہتا ہے کہ کسی بزرگ سے کوئی کرامت سرزد ہو تو اس کی طاقت عارضی طور پر اس کو دے دیتا ہے۔ کرامات وغیرہ کی طاقتیں اولیاء کی ذاتی طاقتیں نہیں ہوتیں۔ یہ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ کے خاص اور محبوب و مقرب بندے تھے اور ہیں۔ اللہ ان کے ذریعے سے نوع انسان کو ہدایت دیتا ہے۔ اسی لئے ہم کو اُن سب کی عزت اور محبت کرنی چاہیے اور ان کے متعلق کبھی بدگمانی دل میں نہ لانی چاہیے۔

۲۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور سچے اور آخری رسول اور نبی ہیں۔ حضور افضل ترین انسان تھے، دُنیا میں اب تک جتنے انسان گزرے ہیں، اب موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے حضور اقدس ﷺ تمام نیکیوں اور خوبیوں میں ان سے کہیں برتر اور افضل تھے۔ اور حضور کا اخلاق تمام نقائص سے بالکل پاک تھا۔

۳۔ قرآن حکیم اللہ کی سچی الہامی کتاب ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی اور جو زیر زبر کی تبدیلی کے بغیر اسی طرح باقی ہے۔

۴۔ قرآن حکیم میں جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے ان کو خوشی اور تن دہی سے کرنا اور جن کو نہ کرنے کا حکم ہے ان کو نہ کرنا ہی عین اسلام ہے۔

۵۔ جنت، دوزخ، فرشتے، عذابِ قبر، قیامت اور حیات بعد الموت برحق ہے۔

۶۔ ایصالِ ثواب کا عقیدہ صحیح ہے مگر مُردوں سے منتیں ماننا شرک ہے۔ ایصالِ ثواب یہ ہے کہ اگر ہم قرآن کی تلاوت کریں یا کھانا یا کپڑا کسی غریب کو دیں یا کوئی اور نیکی کریں تو ان باتوں سے ہم کو جو ثواب ہوگا وہ ثواب ہم رسول اللہ صلعم کی رُوح کو پہنچا کر حضور کی روح مبارکہ کے توسل سے کسی مُردہ کی رُوح کو بخش سکتے ہیں۔ لیکن کھانے اور کپڑے وغیرہ کے لئے ضروری ہے کہ غریبوں اور بھوکوں کو دیا جائے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تھوڑا سا خود بھی کھا لیا جائے۔

۷۔ مُردہ بزرگ ہماری تقدیر کو بدل نہیں سکتے لیکن ہم ان سے رُوحانی فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ رُوحانی فیض ایک برقی طاقت ہے جو کسی مُردہ بزرگ کی رُوح سے ہمارے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اس کی اصل کیفیت صرف تجربہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(اقتباس از طریقت توحیدیہ مصنفہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جب دائرہ تصوف میں قدم رکھا تو آپ کے مرشد نے انہیں پڑھنے اور کرنے کو اس قدر زیادہ بتایا کہ رات رات بھر جاگنے کے باوجود بھی اوراد پورے نہ ہو سکتے تھے۔ ملازمت کے دوران ان معمولات کو جاری رکھنے میں اور زیادہ دشواری پیش آئی۔ بہر حال سلوک طے کرنے تک اپنے ذاتی تجربہ اور تحقیق سے یہ بات آپ پر واضح ہو گئی کہ اللہ سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور تزکیہ اخلاق کرنے پر منحصر ہے۔ چنانچہ آپ نے جب نئے سلسلے کی بنیاد ڈالی تو ذکر، فکر اور مجاہدے کے تمام طریقوں میں ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیں جو زمانہ حاضرہ کے مزاج اور آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کیلئے موزوں اور آسان ترین ہیں۔ اس کے علاوہ اُن تمام خرابیوں کو جو اسلامی تصوف میں شامل ہو گئی تھیں دور کر کے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو صحیح قرآنی تصوف کا علمبردار بنا دیا۔ وہ تجدیدی اور اصلاحی اقدام جن کی وجہ سے اس نئے سلسلہ کو انفرادیت اور امتیاز حاصل ہوا۔ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دوسرے سلسلوں میں اوراد و وظائف ہزاروں بار نہیں لاکھوں بار پڑھنے کو بتائے جاتے
ہیں۔ آجکل حصول معاش کیلئے صبح سے شام تک کام کرنا پڑتا ہے اور کئی لوگوں کو رات کی شفٹوں
میں فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ اتنے لمبے چوڑے وظیفے پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔
ہمارے سلسلے میں یہ طریقہ بتایا جاتا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی کوئی دماغی کام نہیں کر رہے
اور خالی الذہن ہیں تو ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کرتے رہیں۔ اور اللہ کی یاد سے غافل نہ
ہوں۔ اللہ کے ذکر کا یہی طریقہ پر قرآن میں بتایا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ نفی اثبات کے طریقہ لا
الٰہ اِلا اللّٰہ کا ذکر بتایا جاتا ہے جو رات کی نمازوں میں سے کسی ایک کے بعد پندرہ بیس منٹ
کیلئے کرنا ہوتا ہے۔ بس یہی ذکر ہیں۔ اللہ سے اپنی محبت کا رشتہ استوار کرنے کا اس سے زیادہ
آسان طریقہ بھلا اور کیا ہو سکتا؟

۲۔ پہلے زمانے کے بزرگ مریدوں کو نفس کشی کیلئے بھوکا رہنا برسوں پیدل سفر کرنا، بھیک
مانگنا، ٹٹی صاف کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدے کے لیے بتایا
جاتا ہے کہ دو چیزیں چھوڑ دیں اور انکی جگہ دو اختیار کر لیں۔ یعنی غُصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کر دیں
اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اپنا لیں غصہ اور نفرت کو ترک کرنے کی مشق کیلئے کہیں باہر جانے کی
ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ تربیت گھر کی چار دیواری کے اندر بہترین طریقے سے ہو سکتی ہے۔

۳۔ دوسرے سلسلوں میں پیروں کی اس قدر عزّت کی جاتی ہے کہ عبادت کی حد تک پہنچ جاتی
ہے۔ مریدوں سے نہ صرف پیروں بلکہ بزرگوں کی قبروں کو سجدے کروائے جاتے ہیں۔ ان
کو مافوق الفطرت خیال کیا جاتا ہے ان سے منّتیں مانگی جاتی ہیں۔ مشکل کشائی اور حاجت روائی
کے لئے ان کو پکارا جاتا ہے اُن کے نام کے شرطیہ وظیفے پڑھے جاتے ہیں اور کیا کچھ نہیں کیا
جاتا۔ ان باتوں کو برا جاننے کی بجائے اولیائے کرام کو ماننے والوں کا شعار سمجھا جاتا ہے۔
مولانا حالی مرحوم...

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب کو مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں اس بات کو شرک اکبر جانتے ہیں۔ بزرگانِ عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور اُن کی دُعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت رواصرف اللہ کی ذات کو مانتے ہیں۔ شخصیت پرستی کی بنیاد کو ختم کرنے کیلئے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوسرے بانیان سلسلہ ہائے تصوف کی روش سے ہٹ کر نئے سلسلہ کو اپنے نام سے منسوب کردینے کی بجائے کمال بے نفسی اور خلوص کے ساتھ اسے اللہ کی ذات بابرکات سے منسوب کرتے ہوئے "سلسلہ توحیدیہ" نام رکھا۔ ہمارے ہاں شیخ کو سجدہ کرنے، اس کی تعظیم کیلئے جھکنے اور اُسکے پاؤں چھونے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بلکہ اُس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہونا بھی منع ہے۔

۴۔ ہمارے سلسلہ میں بانی سلسلہ کی قبر پر نہ تو چادریں چڑھائی جاتی ہیں اور نہ ہی کسی کو قبر پرستی کی کوئی حرکت کرنے دی جاتی ہے۔ شیخ کی قبر پر عام اجتماع کی صورت میں، قوالی، قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کرنے کی بھی ممانعت ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں عرس کی رسم نہیں منائی جاتی۔

۵۔ ہمارے سلسلہ میں فقیرانہ وضع قطع کا لباس پہننے اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ نہ ہی رہبانیت اور دنیا سے نفرت و حقارت کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ ایک متوازن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اس میں غرق ہو جانے کی۔

مریدین کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اپنے آپ کو ہر وقت عمل میں مشغول رکھیں۔ مزید تعلیم اور مہارت حاصل کرکے اور فکر و تدبر کے بل بوتے پر ترقی کی نئی راہیں تلاش کریں۔ دنیوی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ حاصل کرنے کیلئے بھرپور کوشش کریں۔ اپنے فرائض منصبی اور حقوق العباد خوشی اور تن دہی سے پوری طرح ادا کریں۔ مخلوق خدا کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔ حکومت کے عائد کردہ ٹیکس اور دیگر واجبات ایمانداری سے ادا کریں تاکہ آپ ایک محنتی قابل اعتماد، دیانتدار انسان اور اچھے شہری ہونے کی حیثیت سے پہنچائے جائیں۔

۶۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے۔ لیکن ہمارے سلسلہ میں اُن کی کوئی قدر قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلے کا آخری مقصد اللہ کا

قُرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

۷۔ ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے۔ ہمارے ہاں جماعت میں ہم رنگی اور ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے بہت سے خلیفے بنا دینے کا دقیانوسی طریقہ، ختم کر دیا گیا ہے اور صرف ایک ہی خلیفہ بنایا جاتا ہے اور وہی شیخ کا جانشین بھی ہوتا ہے۔ اس طرح جماعت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو جانے کی بجائے ایک ہی مرکز پر قائم رہتی ہے۔ ایک ہی قصبہ یا شہر میں بسنے والے جماعت کے افراد میں باہمی ربط وضبط اور محبت کے فروغ کیلئے مقامی طور پر ہفتہ وار حلقہ ذکر قائم کیا جاتا ہے تاکہ سب بھائی ہفتہ میں کم از کم ایک دن تو آپس میں مل بیٹھیں۔ سالانہ اجتماع بھی اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ جن بھائیوں کو کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوتا وہ وہاں مل کر ایک دوسرے کے نزدیک ہو جائیں اور یہ ملاقات ازدیار محبت کا باعث ہو۔ وراثتی گدی نشینی کے نظام سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان سے ہر کوئی آگاہ ہے۔ بانی سلسلہ نے ''طریقتِ توحیدیہ'' اور اپنے وصیت نامہ کے ذریعہ یہ آئین بنا دیا کہ حلقہ توحیدیہ کے رُوحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ کیلئے غیر وراثتی ہوگا۔ کوئی شیخ اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا جانشین ہرگز نہ بنائے خواہ اس کا اہل ہی کیوں نہ ہو؟

کوئی رُوحانی پیشوا کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین نامزد نہیں کر سکے گا جو اس کے خاندان کا رُکن ہو یا اس کے خاندان سے کوئی تعلق رکھتا ہو۔ جانشینی کے لیے یہ اہم اور بنیادی اُصول ہوگا کہ جانشین رشتہ داری کے لحاظ سے بالکل باہر کا آدمی ہو۔

۹۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کے لیے اندھا دھند ہر کسی کو بیعت نہیں کیا جاتا۔ جو شخص سلسلہ میں شامل ہونا چاہتا ہو اُسے کچھ عرصہ کے لیے پہلے طالب بنایا جاتا ہے تاکہ وہ سلسلہ کی تعلیم اور آداب وقواعد کو اچھی طرح سمجھ لے اور اُن پر عمل کر کے دکھائے کم از کم چھ ماہ کیلئے ضرور طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ اس جماعت کے مقاصد اور اس کے ارکان کے اخلاق و کردار سے اچھی طرح آگاہ ہو سکے۔ اور ہم بھی اُسے پرکھ لیں کہ وہ حقیقتاً اللہ کے راستہ کا متلاشی ہے اور دنیوی اغراض ومقاصد کے لیے تو شامل نہیں ہونا چاہتا۔ جب طالب خوب ذوق شوق سے ذکر وغیرہ کرنے لگے اس میں رُحانیت کے آثار پیدا ہو جائیں اور اس کا اخلاق سلسلہ کے کم از کم معیار پر پورا اترے تو اسے بیعت کرلیا جاتا ہے۔

۱۰۔ ہمارے سلسلہ میں غریب اور ضرورت مند بھائیوں کی مدد کے لیے ماہوار خیرات فنڈ قائم کیا گیا ہے جس میں ہر صاحب استطاعت بھائی اپنی آمدنی کے مطابق حصہ ڈالتا ہے جو لوگ مالی طور پر کمزور ہوں ان سے کچھ نہیں لیا جاتا بلکہ بوقتِ ضرورت ان کی مدد کی جاتی ہے۔ یہ فنڈ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کی اشاعت اور دوسرے رفاہی اداروں کے قیام میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فنڈ کا باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے فنڈ کا روپیہ شیخ سلسلہ اور ایک مرید (جو شیخ کا رشتہ دار نہ ہو) کے مشترکہ اکاؤنٹ میں بینک میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

۱۱۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعتِ قلب ونظر کی مظہر ہے وہ تمام اختلافی موضوعات جن سے فی زمانہ محراب ومنبر کی رونق ہے اور جن کی وجہ سے دینی معرکے آراستہ کیے جاتے ہیں وہ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تصانیف سے ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گے تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ اختلافات دین کے اصولوں پر ہرگز نہیں ہیں بلکہ فروعات پر ہیں پھر بھی صبر وتحمل کے فقدان کے باعث آپس میں سر پھٹول ہوتی رہتی ہے حقیقت یہ ہے کہ آئمہ فقہ نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ اور بصیرت کے مطابق جس سُنت کے حق میں دلائل وروایات کو قوی سمجھا اس کی صرف ترجیح کے حق میں فتویٰ دیا لیکن دوسرے مسلک کو کبھی بھی کسی نے غلط قرار دینے کی جرأت نہیں کی۔ اتنے متقی اور محتاط بزرگ غلط کہہ بھی کیونکر سکتے تھے جبکہ دوسرے طریقوں کے لیے بھی حضور کی سُنت ثابت ہونے کے دلائل موجود تھے اس مسئلہ کو ہم ذرا مختلف انداز سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت ہاجرہؓ اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی خاطر پانی کی تلاش کیلئے صفاء ومروہ پر سات مرتبہ چڑھیں اور اتریں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بھا گئی تو صفاء ومروہ کی سعی کا حکم فرما کر اس منظر کو تسلسل اور دوام عطا کر دیا۔ حضرت ہاجرہؓ بے شک ایک پیغمبر کی ماں تھیں لیکن خود تو پیغمبر نہیں تھیں۔ جب اُن کے دنیوی کام کی ادا کی یہ قدر افزائی ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ جو خیرُ البشرؐ، سیّد الانبیاء اور اللہ کے حبیبؐ ہیں، اُن کی تو ہر ہر ادا اللہ کو محبوب اور پیاری لگی ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اُنکی ہر ہر ادا کو جاری وساری رکھے ہوئے ہے ہم ان فروعی اختلافات کو اسی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ عرب ممالک میں لوگ فقہی اختلافات کے باوجود اکٹھے نماز پڑھتے ہیں۔ کسی نے ہاتھ سینے پر باندھے ہوتے ہیں کسی نے ناف پر اور کوئی کھلے چھوڑ کر پڑھ رہا ہوتا ہے لیکن کوئی کسی کو ٹوکتا ہے اور نہ یہ کہتا ہے کہ تمہاری نماز

نہیں ہوئی۔ ان کے ہاں عموماً سلام پھیرنے کے بعد اپنے دونوں طرف بیٹھے بھائیوں سے مصافحہ کیا جاتا ہے اور ساتھ یہ دعا بھی دی جاتی ہے **تَقَبَّلَ اللّٰهُ** یعنی اللہ یہ نماز قبول فرمائے۔ اللہ ہمیں بھی ایسی سمجھ اور صبر عطا فرمائے۔ آمین!

یہی وجہ ہے کہ ہمارے سلسلہ میں ان اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے سب لوگ پیار سے رہتے ہیں اور جماعت کے ارکان آپس میں سگے بھائیوں سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں۔ سب بھائی حکمت اور پیاری پیاری نصیحتوں سے ایک دوسرے کی اصلاح کا کام کرتے ہیں اور جو کوئی بحث مباحثہ میں اُلجھانا چاہے اُسے ہاتھ جوڑ کر سلام کرتے ہیں۔ کیونکہ بحث کرنا ہمارے مسلک میں منع ہے۔

تحدیثِ نعمت

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے موجودہ زمانے کی معاشی دوڑ اور عدیم الفرصت زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ کی توفیق و تائید سے تصوف کی تعلیم کو سہل اور قابل عمل بنا کر طالبان راہِ حق پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اِس نئے سلسلہ میں اللہ کے ذکر کا جو طریقہ بتایا جاتا ہے۔ وہ معمولاتِ زندگی اور کام کاج میں مخلّ ہونے کی بجائے رُوحانی راحت اور قلبی طمانیت کا باعث بنتا ہے جس سے کارکردگی زیادہ بہتر اور بابرکت ہو جاتی ہے۔ تعلیم مختصر اور آسان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتنی موثر ہے کہ ایک سچا طالب چند مہینوں کے اندر ہی اپنے قلب میں سوز و گداز اور اخلاق میں واضح تبدیلی محسوس کرنے لگتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اتباع قلبی سرور اور روحانی لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اِس طرح ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور سالک اعلیٰ روحانی مراتب کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ الحمدللہ اب تک ہزارہا طالبان راہ حق جو سب کے سب تعلیم یافتہ اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس آسان ترین تعلیم پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے قرب و عرفان کی منازل طے کر رہے ہیں۔

عقیدہ توحید کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات

(ترتیب وتدوین حافظ محمد یٰسین توحیدی)

(زیر نظر مقالہ محترم خورشید احمد صاحب آف راولپنڈی نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ 10,9,8 اپریل بمقام مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں پڑھا۔ اس مقالہ میں خورشید احمد صاحب نے عقیدہ توحید کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات کو موضوع بنایا ہے۔ ہم اس موضوع کے خاص خاص نکات کو یہاں مختصراً بیان کرتے ہیں)

جناب سیدی و مرشدی اور عزیز توحیدی برادران، اسلام علیکم! عقیدہ کا مصدر عقد ہے عربی میں عقدہ ہے۔ جس کے معنی گانٹھ یا گرہ ہے دین کے معاملے میں عقیدہ کا مطلب وہ پکے اور مضبوط خیالات اور ٹل نظریات میں جن پر آدمی سختی سے قائم ہو اور آسانی سے بدلنے پر آمادہ نہ ہو۔ اسکی مثال ان لوگوں کی ہے۔ جنہوں نے از خود اپنی زندگیاں بلکہ اپنے اہل خانہ کی زندگیاں بھی قربان کر دیں۔ اور اپنے عقیدے سے پیچھے نہیں ہٹے۔

عقیدہ نہ صرف انسان کو پختہ فکر عطا کرتا ہے بلکہ باکردار بھی بناتا ہے۔ انسان کا ہر عمل اسکی سوچ اور نظریات کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ اسی لئے صحیح عقیدہ انسان کی سوچ کو عمدہ ترین عمل کی ترغیب دلاتا ہے۔

توحید۔ اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز ایمان باللہ ہے۔ یوں تو بہت سی قومیں اللہ پر ایمان رکھتی ہیں۔ لیکن اسلام کے نقطہ نظر سے ایمان باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور کسی کو اسکا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا تعارف اس طرح آیا ہے۔

ترجمہ! کہہ کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کا کوئی باپ ہے اور نہ کوئی اولاد۔ اسکا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

الغرض ہر وہ بات جو اسلام میں ہے۔ خواہ وہ عقیدہ ہو یا عمل اسکی بنیاد صرف ایمان باللہ پر قائم ہے اگر اس سے ایک بات کو الگ کر لیا جائے۔ تو پھر ایمان کی تعریف مکمل نہیں رہتی۔

اللہ تعالیٰ کے صفات با کمال پر یقین رکھنا عقیدے کی اصل جان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات دونوں میں یکتا ہے۔

صفات میں یکتا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حی و قیوم اور قادر و رازق ہے۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

خدا کو کسی نے دیکھا نہیں اسکی بنائی ہوئی کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر خدا کی واحدانیت اور دنیاوی نظم و نسق قادر مطلق ہونے کا ثبوت ہے۔ اگر اس قانون قدرت میں کوئی شریک ہوتا تو قرآن کریم کے مطابق ان میں فساد یا جھگڑا ہوتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ٥

عقیدہ توحید سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر گوناگوں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسان کے فکر و عمل اپنے بارے میں نقطہ نظر اور دوسروں کے ساتھ تعلقات بلکہ پوری کائنات میں موجود ہر چیز کے بارے میں انسانی سوچ میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے انسانی زندگی پر عقیدہ توحید کے جو نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان میں

1۔ آزادی و حریت! تمام کائنات انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ توحید پر عمل کرنے سے انسان اپنے آپ کو اشرف المخلوقات ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ توحیدی ہر کسی کو آقا اور حاجت روا نہیں سمجھتا۔ اس طرح شرک اور کفر کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

2۔ عزت نفس اور خودداری عقیدہ توحید پر یقین رکھنے والا جانتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ مالک اور خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع و نقصان پہنچانے والا، کوئی مارنے والا یا جلانے والا، کوئی صاحب اختیار اور با اثر نہیں ہے۔ یہ علم اور یقین انسان کو کسی مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کے سوا بے نیاز کر دیتا ہے اور اس کی گردن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتی۔

3۔ انکسار۔ توحیدی کبھی مغرور اور متکبر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور وہی واپس لینے کی قدرت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور انکساری سے پیش آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سرخ رو اور بلند مرتبہ عطا کرتا ہے۔

4۔ وسعت نظر۔ توحیدی تنگ نظر نہیں ہوسکتا۔ اُسے یقین ہے کہ کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کائنات کی کوئی چیز غیر نظر نہیں آتی۔ اور اس میں محبت اور خدمات کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کی سوچ اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ رنگ و نسل، لسانی اور علاقائی تعصبات سے پاک ہو کر ایک عالمگیر رشتہ اخوت سے منسلک ہو جاتا ہے۔

5۔ استقامت و بہادری دو چیزیں انسان کو بزدل بنا دیتی ہیں، ایک جان و مال اور اہل خانہ کی محبت دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مارنے یا جلانے والا ہے۔ توحیدی کے خیال سے یہ دونوں خدشات نکل جاتے ہیں اور وہ بہادری اور استقامت کا پیکر بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ پرہیز گاری، قانون کی پابندی واطمینان قلب اور صبر و توکل انسانی زندگی کے معمولات میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔

عقیدہ توحید کا انسان کی اجتماعی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہا انسان کی معاشرتی زندگی کی بنیاد عدل و انصاف اور صحیح مساوات پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب تک معبود کی وحدت کو تسلیم نہ کیا جائے اور تمام نسل انسانی کو برابر نہ سمجھا جائے انسانی معاشرہ بہتر خطوط پر نہیں چل سکتا۔

آج کے جدید دور میں جبکہ سائنس نے کمال حاصل کیا ہے۔ دنیا کی اکثریت قوم پرستی اور فرقہ پرستی کی لعنت میں گرفتار ہے۔ یہ بھی شرک کی ایک صورت ہے۔ اسی وجہ سے پچھلی صدی میں ہولناک جنگیں بھی ہوئی ہیں۔ اگر انسانیت اللہ تعالیٰ کو یکتا اور ایک آدم کی اولاد پر یقین رکھیں تو آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہ سکتے ہیں۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اپنے اعتقاد کی پختگی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک ولی کامل جناب خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی قیادت نصیب کی اور اُن کی تعلیم کو جاری رکھنے کیلئے ہم میں جناب پیرو مرشد قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی موجود ہیں۔ جنکی راہنمائی میں بے شمار انسان راہ حق پر چلتے ہیں اور آسانی محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم، صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

وحی کی حقیقت

(مولانا محمد تقی عثمانی)

حضورؐ پر وحی کے طریقے:۔ آنحضرت ﷺ پر بھی مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی، صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

أحيانا ياتيني مثل صلصلة الجرس وهو اشد ه علي فيفصم عني وقد وعيت ما قال واحيانا يتمثل لي الملك رجلا ۔

"کبھی تو مجھے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے"۔

اس حدیث سے آنحضرتؐ پر نزول وحی کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) صلصلۃ الجرس! پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی کہ جیسی گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس قسم کی وحی کو کس اعتبار سے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے، البتہ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فرشتے کہ آواز ہوتی تھی، بعض کا خیال ہے کہ فرشتہ وحی لاتے وقت اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا تھا، اس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی اور علامہ خطابیؒ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہاں تشبیہ آواز کے ترنم میں نہیں بلکہ اس کے تسلسل میں ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوا کرتی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض قیاسات ہیں اور ان کی بناء پر کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، البتہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ سے نقل کرکے اس تشبیہ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ مذکورہ تمام توجیہات سے زیادہ لطیف ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ تشبیہ صرف دو اعتبار سے دی گئی ہے، ایک تو آواز کے تسلسل کے اعتبار سے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اور دوسرے اس اعتبار سے کہ گھنٹی جب مسلسل بج رہی ہو تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس

ہوتی ہے اور باری تعالیٰ چونکہ جہت اور مکان سے منزہ ہے، اس لئے کلام الٰہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی، بلکہ ہر جہت سے آتی ہے، اِس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں، لیکن اِس بات کو عام ذہنوں کے قریب لانے کے لئے آنحضرتؐ نے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دیدی ہے۔

بہرکیف! اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت کا علم تو اللہ ہی کو ہے، یا اُس کے رسولؐ کو، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وحی کے اِس خاص طریقے میں گھنٹیوں کی سی آواز آیا کرتی تھی، ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وحی کا یہ طریقہ آنحضرت ﷺ پر سب سے زیادہ دشوار ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ **وھو اشدہ علی** (یہ طریقہ میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا، لیکن اس گھنٹیوں کی آواز والے طریقے میں سب سے زیادہ بار ہوا کرتا تھا، وجہ یہ ہے کہ کہنے والے اور سننے والے میں کسی نہ کسی طرح مناسبت پیدا ہونی تو ضروری ہے، اب اگر فرشتہ انسانی شکل میں آجائے تو حضور ﷺ پر کوئی غیر معمولی بار نہیں پڑتا تھا، صرف کلام الٰہی جلال کلام وغیرہ کا بار ہوتا تھا، اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آئے، بلکہ اسکی آواز یا براہِ راست باری تعالیٰ کا کلام سنائی دے، تو یہ ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی اور اس سے مانوس ہونے اور استفادہ کرنے میں آپؐ پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں:۔

ولقد رایته ینزل علیه الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنه وان جبینه لیتفصد عرقا۔

"میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپؐ وحی نازل ہوتے دیکھی ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی"۔

ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رُکنے لگتا، چہرہ مبارک متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا سامنے کے دانت سردی کی وجہ سے کپکپانے لگتے، اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اِس کے قطرے موتیوں کی طرح

ڈھلکنے لگتے تھے۔
وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی تھی کہ آپؐ جس جانور پر اُس وقت سوار ہوتے وہ آپؐ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا اور ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔
اور مسند احمد کی ایک روایت میں آپؐ خود فرماتے ہیں کہ جب یہ وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری رُوح کھینچ رہی ہے۔
بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کے چہرہ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔
(۲) تمثیلِ ملک! وحی کی دوسری صورت جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپؐ کے پاس آ کر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیلؑ مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں سے حضرت دحیہ کلبیؓ کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے، اتنے حسین کہ اپنے چہرے کو لپیٹ کر چلا کرتے تھے، البتہ بعض مواقع پر دوسری صورتوں میں بھی حضرت جبریل علیہ السلام کا آنا ثابت ہے، حضرت عمرؓ کی مشہور روایت میں وہ بالکل ایک اجنبی کی صورت میں تشریف لائے تھے۔ کیونکہ وہاں مقصد ہی یہ تھا کہ حاضرین ایک اجنبی کو حضور کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے باتیں کرتا دیکھ کر اچنبھے میں پڑ جائیں۔
بہر حال اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ جو فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لاتا تھا وہ جبریل علیہ السلام تھے، قرآن کریم کی آیت ہے:۔

قل من كان عدوا لجبريل فانه نزله على قلبك (البقرہ: ۹۷)

"کہہ دو کہ جو شخص جبرئیلؑ کا دشمن ہو تو (ہوا کرے) اسی نے یہ (قرآن) آپؐ کے دل پر اُتارا ہے"۔

اس سے یہ بات واضح ہے کہ عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی وحی لایا کرتے تھے۔ البتہ

...احمدؒ نے اپنی تاریخ میں امام شعبیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ابتداءِ نبوت میں تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لاتے رہے ہیں، لیکن اُن کے ذریعہ قرآن کریم نازل نہیں کیا، ...قرآن تمام تر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی لائے ہیں"۔

مگر علامہ واقدیؒ وغیرہ نے اس روایت کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوا کوئی فرشتہ وحی نہیں لایا، علامہ بدرالدین عینیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، اور کسی مرفوع حدیث یا کسی صحابی کے قول میں اس روایت کی بنیاد بھی نہیں ...لیکن حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو قبول کرنے کی طرف مائل ہیں اور اسے زمانہ فترت کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔

بہر کیف! وحی کی اس صورت میں فرشتہ انسان کی شکل میں آیا کرتا تھا اور وحی کے اس طریقے میں آپ کو کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی تھی، چنانچہ صحیح ابوعوانہؒ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وحی کی اس صورت کا ذکر کرکے فرمایا۔

وهو اهونه علی۔ "اور یہ صورت میری لئے سب سے زیادہ آسان ہوتی ہے"

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں تو وحی کے صرف یہ دو طریقے بیان کئے گئے ہیں، لیکن دوسری احادیث سے اس کے علاوہ بھی کئی طریقے معلوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ علامہ حلیمیؒ نے تو لکھا ہے کہ آپ پر وحی چھیالیس طریقوں سے نازل ہوتی تھی۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حاملِ وحی (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کی مختلف صفات کو وحی کے مختلف طریقے قرار دے کر تعداد چھیالیس تک پہنچادی ہے ورنہ تعداد اتنی نہیں۔

تاہم دوسری احادیث سے نزولِ وحی کے جو دوسرے اہم طریقے ثابت ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں۔

(۳) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا! وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اُس وقت جب آپ نے خود حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں، اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند کے ساتھ ثابت

مشکوک ہے۔

ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے

(۴) رویائے صادقہ وحی کی چوتھی صورت یہ تھی کہ آپ کو نزول قرآن سے قبل سچے خواب نظر آیا کرتے تھے، جو کچھ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

اول مابدی به رسول الله ﷺ من الوحی الرویا الصالحة فی النوم فکان لایری رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح۔

''آپؐ پر وحی کی ابتداء نیند کی حالت میں سچے خوابوں سے ہوئی، اُس وقت آپؐ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا''۔

اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک مرتبہ ایک منافق نے آپؐ پر سحر کر دیا تھا، اس سحر کی اطلاع اور اسے دفع کرنے کا طریقہ بھی آپ کو خواب ہی میں بتایا گیا۔

(۵) کلام الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، بیداری کی حالت میں یہ واقعہ صرف معراج کے موقعہ پر پیش آیا ہے، اس کے علاوہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں۔

(۶) نفث فی الروع وحی کا چھٹا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اِنَّ رُوحَ القدس نفث فی روعی۔(الخ)

''روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی (الخ)''

اور مستدرک حاکم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:۔

ان جبرئیل علیه السلام القی فی روعی ان احدا منکم لن یخرج من الدنیا حتی یتکمل رزقه ٥

''جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی دنیا سے نہیں جائے گا جب تک اپنا رزق پورا نہ کر لے''۔ (جاری ہے)

آج اُمت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت

(ڈاکٹر اسرار احمد)

☆ آج میری گفتگو کا موضوع ہے" موجودہ حالات میں اُمت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت"۔ یہ موضوع ایسا ہے کہ ہر دردمند اس کے بارے میں سوچتا ضرور ہے۔ آخر کیا وجہ ہے،

ہیں آج کیوں ذلیل ، کہ کل تک نہ تھی پسند

گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں!

اس ذلت و پستی کا آخر سبب کیا ہے؟ علاج کیا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سائنس کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہمارے بہت سے دانشور کہتے ہیں کہ ہماری سب سے بڑی ضرورت جمہوریت ہے۔ جمہوریت آ جائے تو ہمارے سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔ اس کی مثال وہ ہمارے پڑوسی ملک کی دیتے ہیں۔

اصل میں کمی کہیں اور ہے۔ اس ضمن میں میرا ایک خاص تجزیہ ہے اور یہ کوئی آج کا نہیں بہت پہلے سے ہے۔ آخر ہمارا مرض کیا ہے، اس کی تشخیص کیا ہے، علاج کیا ہے۔ اُمت مسلمہ کو جو مرض لاحق ہے، بڑا دیرینہ ہے۔ یہ دو چار برس کی بات نہیں۔ دو چار صدیوں کی بات ہے۔ اصل سبب اور مرض کی اصل جڑ یہ ہے کہ بہ حیثیت امت مسلمہ ہمارا کام تھا، اللہ کے دین کی گواہی دینا اپنے قول اور عمل سے، نوع انسانی کے سامنے۔ ہمیں اُمت بنایا ہی گیا ہے اس مقصد کے تحت:(وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت وسطہ بنایا ہے تاکہ تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر اور رسول گواہ ہو تم پر۔"

سابقہ اُمت مسلمہ

لیکن آج ہم دنیا میں کسی ایک ملک کو بھی دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتے کہ آؤ دیکھ لو، یہ ہے اسلام۔ یہاں اسلام صحیح معنی میں موجود ہے۔ ہم اگر عذاب خداوندی میں مبتلا ہیں تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہے۔ دیکھئے ایک ظلم وہ ہے جو بش کر رہا ہے۔ اُس کا ظلم نظر آ رہا ہے۔ سب ہے ہیں کہ اس ظلم و تشدد میں بش کا ہاتھ ہے، لیکن درحقیقت اللہ کا ہاتھ ہے جو ہمیں

عذاب دے رہا ہے۔ اللہ کی اجازت نہ ہو تو بش کا ہاتھ ہل نہیں سکتا۔ ہمیں اللہ نے جو امانت دی تھی یعنی قرآن مجید، ہم نے اُس کے ساتھ خیانت کی۔ ہم نے محمدؐ رسول اللہ کے ساتھ خیانت کی۔ پھر ہم کیوں نہ اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوتے۔ اُمت آج جس عذاب میں مبتلا ہے، وہ بش کا لایا ہوا نہیں، اللہ کا لایا ہوا عذاب ہے۔ اللہ کا عذاب روسیوں کے ہاتھوں چیچنیا پر ہو رہا ہے۔ فلپائنی عیسائیوں کے ہاتھوں فلپائنی مسلمانوں پر ہو رہا ہے۔ یہودیوں کے ہاتھوں فلسطین کے مسلمانوں پر ہو رہا ہے۔ بھارت کے ہاتھوں کشمیری مسلمانوں پر ہو رہا ہے۔ ہاتھ بظاہر کسی کا بھی ہے، اصل میں پیچھے ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ میں بارہا آپ کی توجہ اِس نکتے کی طرف دلاتا رہا ہوں۔ اسلام سے پہلے بھی جو سابقہ اُمت مسلمہ تھیں، جیسے موسیٰؑ کی اُمت۔ حضرت موسیٰؑ کوئی معمولی نبی نہیں وہ کلیم اللہ تھے۔ اُن پر کتاب توریت نازل ہوئی۔ قرآن کا تیرہواں حصہ حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے حالات پر مشتمل ہے۔ ساڑھے چھ ہزار قرآنی آیات میں سے ساڑھے پانچ سو آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ لیکن اُن کی اُمت نے غفلت، کوتاہی اور نافرمانی کی، جس کے سبب اللہ کا عذاب اُن پر مسلط کر دیا گیا۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تم ہی تو اُمت مسلمہ نہیں ہو، تم سے پہلے بھی اُمت مسلمہ تھی، اس کا جو حشر ہوا، کیا آپ نے کبھی غور کیا، اس کا مطالعہ کیا؟ آج سے پندرہ برس پہلے میری ایک کتاب چھپی تھی ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی، حال اور مستقبل''۔ اِس میں اسباب بیان ہوئے ہیں جن کی بناء پر سابقہ اُمتوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ آج موجودہ اُمت مسلمہ پر بھی انہی اسباب کی بناء پر اللہ کا عذاب نازل ہے۔

ابلیس کی مجلس شوریٰ

اور میں بار بار یہ بھی یاد دلاتا رہتا ہوں، معافی کی درخواست کے ساتھ کہ عذاب بڑھے گا اور بڑھے گا اور بڑھے گا۔ یہ ہے نقشے کی ایک طرف۔ اب نقشے کی دوسری طرف بھی دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف مغرب دنیاوی اعتبار سے پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ ٹیکنالوجی کے لحاظ سے آسمان کو چھو رہا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے اور اسی خاص نکتے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اُن پر ایک خوف مسلط ہے۔ کسی قوم پر خوف کا مسلط ہونا، یہ بھی عذابِ الٰہی کی ایک شکل ہے۔ القاعدہ اور دوسری جہادی تحریکوں کی ''دہشت گردی'' کا خوف تو اُنہیں ہے ہی۔ میں

خوف کی بات نہیں کر رہا۔ اس وقت امریکا اور مغرب پر جو اصل خوف اُن پر طاری ہے، وہ خوف وہ ہے جو ابلیس کی زبان سے اقبال نے کہلوایا تھا۔ اقبال کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" تو آپ نے پڑھی ہوگی۔ نہ پڑھی ہو تو ضرور پڑھیے۔ اُن کے مجموعہ کلام "ارمغان حجاز" میں شامل ہے۔ یہ نظم انہوں نے 1936ء میں کہی تھی۔ ابلیس کے سب مشیر جب اپنے اپنے مشورے دے چکے تو ابلیس نے اپنی تقریر میں اپنا اصل خوف یوں ظاہر کیا۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشان روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
جانتا ہوں میں کہ یہ اُمت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری، بندہ مومن کا دیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے، لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں

یہ نظم ساٹھ برس پہلے کی ہے۔ ساٹھ برس پہلے زمانے کے تقاضے کیا تھے؟ اشتراکیت سیلاب کی طرح دنیا کے منظر نامے پر چھا رہی تھی۔ اُس وقت امریکا اور اس کے اتحادی اشتراکیت کے خوف سے کانپ رہے تھے کہ کہیں سرمایہ داری نظام کا سفینہ ڈوب نہ جائے۔ پورا مشرقی یورپ اشتراکی نظام کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ روس کی خلائی سائنس امریکا اور یورپ سے کہیں آگے تھی۔ ساٹھ برس کے بعد اب عصر حاضر کے نئے تقاضے کیا ہیں۔ اشتراکی نظام اور اس کا جدلی مادیت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے۔ سرمایہ داری نظام نے اُس کی وفات پر بغلیں بجائیں کہ اب ہمارا کوئی حریف نہیں رہا۔ چنانچہ انہوں نے "نئے عالمی نظام" کا نعرہ لگایا، جس کو اب وہ گلوبلائزیشن "جہان گیریت" کا نام دینے لگے ہیں۔ اب عصر حاضر کا جدید تقاضا "جہان گیریت" ہے۔ سرمایہ داری نظام کا جدید نعرہ یہ ہے کہ "سارا جہان ہمارا"، لیکن اُن کے دل میں ایک پھانس اٹکی ہوئی ہے کہ ہر عمل کے ایک ردعمل کی طرح "جہان گیریت" کا ردعمل کیا ہوگا؟

امریکی دانشوروں کا تجزیہ

امریکا کی ''رینڈ کارپوریشن'' کی ایک بہت بڑی رپورٹ شائع ہوئی ہے، جسے امریکا ''تھنک ٹینک'' کہا جاتا ہے۔ یہ کارپوریشن اعلیٰ ترین صلاحیتیں رکھنے والے ذہین ترین، دانشور حضرات کو جمع کرتے ہیں۔ انہیں ایک مسئلہ دیا جاتا ہے اور اُس کا حل بھی دریافت کیا جاتا ہے۔ اُن کی پیش کردہ سفارشات اور تجاویز امریکہ کے وزیرِ دفاع کو پیش کی جاتی ہیں اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس کارپوریشن کی ایک حالیہ رپورٹ نے مسلمانانِ عالم کے بارے میں ایک تجزیہ پیش کیا ہے، جس کی رُو سے مسلمانوں کے چار طبقات ہیں۔

(1) بنیاد پرست (Fundamentalists) یہ لوگ اسلام کو ایک ضابطہ حیات خیال کرتے ہیں، صرف مذہب نہیں، صرف عقائد و عبادات کا مجموعہ نہیں، بلکہ پورا زندگی کا نظام یہ ہمارے دشمن ہیں، ہماری تہذیب اور ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔

(2) روایت پرست (Traditionlists) روایتی مُلّا۔ یہ لوگ قال اللہ و قال الرسول میں مگن ہیں۔ اسلام کے بارے میں اُن کا جو تصور ہے وہ نظامِ حیات کا نہیں۔ وہ ہمارے لئے براہِ راست خطرہ نہیں۔ لیکن اگر وہ بنیاد پرستوں کے ساتھ مل جائیں تو بہت بڑا خطرہ ہیں اس لئے کہ اُن کی رسائی عوام تک ہے۔ ان کے پاس مدرسے ہیں، مسجدیں ہیں عوام ان کے قبضے میں ہیں۔

(3) جدیدیت پسند (Modernist) یہ لوگ اسلام کی ایسی تشریح و تعبیر کرنا چاہتے ہیں جو مغرب کے لئے قابلِ قبول ہے۔ یہ مغرب سے ہم آہنگ ہیں۔ یہ کام ہندوستان میں سرسید احمد خان نے شروع کئے تھے۔ اُن کے پیروکار، بڑے بڑے سکالرز آج کل بھی موجود ہیں، جو اسلام کے نام پر اسلام کو ''ڈی اسلامائز'' کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے اصل ساتھی اور مددگار، ان کی تشہیر کرو۔ ان کی روپے پیسے سے اور ہر طرح سے مدد کرو۔

(4) سیکولر (Sesular) یہ تو ہیں ہی ہمارے۔ ان کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ''تھنک ٹینک'' کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنیاد پرستوں اکٹھا نہ ہونے دو، ورنہ تمہاری تباہی ہے۔ جدیدیت پسندوں اور سیکولر کو اکٹھا کرو اور اُن کی ہر ممکن مدد کرو۔

تہذیبوں کا تصادم

''رینڈ کارپوریشن'' کے تجزیے کو آگے بڑھایا، امریکی دانشور ہنٹنگٹن کے ایک مقالے نے جس کا عنوان تھا ''The Clash of Civilizations'' جو بعد میں توسیع پا کر کتابی شکل میں چھپا۔ ''تہذیبوں کے تصادم'' کے نام سے اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اشتراکیت کا خاتمہ ہونے پر امریکی دانشور فرانسس فلکیویاما نے کتاب لکھی تھی۔ ''تاریخ کا خاتمہ'' ہنٹنگٹن نے کہا، نہیں ابھی انسانی تاریخ کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ابھی عالمی تہذیبوں کا تصادم اور ٹکراؤ جاری ہے۔ اُس نے اپنے تجزیے میں تفصیل سے بیان کیا کہ آج تک صرف بیس تہذیبیں وجود میں آئی ہیں ان میں سے بارہ ختم ہو چکی ہیں اور اِن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے۔ باقی رہ گئیں آٹھ تہذیبیں۔ ان میں سے ایک ہماری مغربی تہذیب ہے، سات اور ہیں۔ ان سات میں سے پانچ ایسی ہیں جن سے ہماری کوئی مسابقت نہیں انہیں ہم اپنے اندر آسانی سے ضم کر سکتے ہیں، مثلاً ہندو تہذیب کہ راگ، موسیقی، رقص، عریانی وغیرہ ہمارے درمیان قدرِ مشترک ہیں۔

ہنٹنگٹن نے لکھا کہ دو تہذیبیں ہمارے لئے خطرناک ہیں۔ وہ ہمارے لئے لوہے کے چنے ہیں، جن کو چبایا نہیں جا سکتا۔ ایک کنفیوشس کی چینی تہذیب اور دوسرے مسلم تہذیب۔ ان دونوں تہذیبوں کے خطرات سے نمٹنے کے لئے امریکی دانشور نے جو سفارشات پیش کیں، امریکی حکومت اُن پر عمل بھی کر رہی ہے۔

(1) چینی تہذیب کو مسلم ممالک سے دور رکھو۔ یہ دو تہذیبیں کہیں آپس میں اتحاد نہ کر لیں۔ چنانچہ فوراً ''ایپک'' ادارہ بنایا گیا۔ (ایشیا پیسفک اکنامک کارپوریشن) یعنی چین کو مشرق سے ملا دو۔ چین کے مشرق میں کیا ہے۔ پیسفک اوشن، بحرالکاہل۔ امریکہ کا مغربی ساحل۔ گویا امریکہ کا مغرب اور چین کے مشرق کے درمیان کیا ہے، بحرالکاہل۔ چین کو مشرق کا رُخ دکھاؤ۔ وہ امریکہ سے مل جائے گا۔ آس پاس کے اور درمیان کے جتنے بھی چھوٹے بڑے ملک ہیں ان کو ایک اقتصادی کارپوریشن میں مربوط و متحد کر دو۔

(2) مسلم ملکوں کے باہمی اختلافات کو خوب ہوا دو۔ اِن کی باہمی عداوت و رقابت کو ہوا دو، انہیں آپس میں لڑاؤ۔ چنانچہ مسلم ملکوں میں جو اتحاد پیدا نہیں ہو رہا ہے، جس کیلئے جمال الدین افغانی اپنی سی کوششیں کرتے رہے ہیں تو اِس کی وجہ مغرب کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں بھی

ہیں۔ خصوصاً سنی شیعہ منافشت کے ڈانڈے تو مغرب کی ...

امریکہ اور مغرب ہم سے خوفزدہ کیوں ہیں؟

میں عرض کر رہا تھا کہ امریکہ اور مغرب ہم سے خوفزدہ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیوں خوفزدہ ہیں؟ اس لئے کہ انہیں تاریخ کے کھلے ہوئے اوراق صاف نظر آ رہے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ چھپن ستاون ممالک، سو دو سو تین سو برس تک اِن کے غلام رہے ہیں۔ انڈونیشیا تین سو سال تک ولندیزیوں کے ماتحت رہا۔ برعظیم پاک و ہند دو سو سال تک انگریزوں کے تابع رہا۔ لیکن دوسری عالمگیر جنگ کے بعد جب انگریزوں، ولندیزی، اطالوی، فرانسیسی، ہسپانوی ان ملکوں سے چلے گئے تو ایک اُمنگ پیدا ہوئی، اندرونی بیداری کی ایک لہر اُٹھی۔ یاد آیا ہاں ہمارا ایک دین تھا، ہمارا ایک قانون تھا، ہمارا معاشی نظام تھا، جس میں سود حرام تھا، ہمارا معاشی نظام تھا جس میں سود حرام تھا۔ نشہ آور چیزیں حرام تھیں۔ یہ اُمنگ سب سے زیادہ شدت کے ساتھ بیداری کی یہ لہر سب سے زیادہ توانائی کے ساتھ برعظیم پاک و ہند میں اُٹھی۔ اِسی لئے پاکستان بن گیا تھا، ورنہ انڈیا میں جو اقلیتی صوبے تھے، انہیں دنیاوی، معاشی اور مادی لحاظ سے پاکستان سے کیا لینا دینا تھا۔ کیا مدراس سے یوپی، سی پی، مہاراشٹر، گجرات کاٹھیاواڑ، بہار، حیدر آباد دکن پاکستان میں شامل ہو سکتے تھے؟ پھر وہاں کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کو ووٹ کیوں دیئے؟ اِن کا فیصلہ یہ تھا کہ ہم پر جو گزرے گی، سہہ لیں گے۔ تم پاکستان بناؤ اسے ایک مثالی اسلامی ریاست بنا کر دکھاؤ۔ آج تک ہندوستان کے مسلمان اِس فیصلے کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ اُن کو یہ نعرے سننے پڑتے ہیں:
مسلمانوں کے دو استھان، پاکستان یا قبرستان۔

مغربی استعمار سے آزادی کی تحریکوں کے رہنما تو الگ الگ ملکوں میں موجود تھے، لیکن آزادی کے حصول کے بعد جو تحریکیں اُٹھیں تو پورے عالم اسلام میں ایک لیڈر بھی نہیں تھا جس نے صور پھونکا ہو، وہی ایک صور جو جکارتا سے مراکش تک، نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک اثر پذیر ہوتا۔ یہی وقت کا تقاضا تھا۔ چند جماعتیں ابھریں، جنہوں نے اسلام کے احیاء کا [illegible] لیا، انڈونیشیا میں مسجومی پارٹی، برعظیم میں جماعت اسلامی اِسی سلسلے میں تبلیغی جماعت کا نام لیا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت نہیں لے رہا ہوں اس لئے کہ اُن کا تصور مذہب کا ہے دین کا نہیں۔ تبلیغی جماعت نظام سے بحث ہی نہیں کرتی، اس لئے اس جماعت سے امریکہ کی کوئی [illegible]

نیں ہے۔ امریکہ کی دشمنی اُس سے ہے جو اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کی بات کرتا ہے۔

افغانستان میں طالبان کی مثال

افغانستان میں کچھ دیر کیلئے اسلام کی بات چلی تھی۔ عصر حاضر کے تقاضے کی ایک شکل واضح سامنے آئی تھی۔ اسلامی نظام کا نفاذ تو بہت دور کی بات تھی۔ صرف دو تین شرعی احکام نافذ کئے گئے اور اس کی برکات پورے افغانستان میں محسوس ہوئیں۔ مشرق سے مغرب تک انتہائی موثر و مستحکم امن و امان کی حالت۔ کہیں لوٹ مار نہیں، پورے افغانستان میں کوئی ٹول ٹیکس یا پھاٹک نہیں کہ یہاں سے ٹیکس ادا کر کے گزرو گے، ورنہ نہیں۔ ایک حکم آیا اور پوست کی کاشت زیرو۔ امریکہ اربوں ڈالر خرچ کر رہا تھا کہ ہم سے پیسے لے لو، خدا کے لئے یہ پوست کی کاشت بند کرو۔ یہ ہمارے نوجوانوں کی زندگی تباہ کر رہی ہے۔ ہماری نسل برباد ہو رہی ہے، لیکن طالبان کے ایک حکم کہ اسلام میں نشہ آور چیز حرام ہے، یہ لعنت فوراً ختم ہوگئی۔ چنانچہ ہمارے ہاں کے آزاد خیال دانشور ڈاکٹر جاوید اقبال نے افغانستان کا ہفتہ بھر دورہ کرنے کے بعد کہا تھا۔ اگر افغانستان جیسے حالات چند اور مسلم ملکوں میں بھی ہو جائیں تو پوری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔

اسی لئے امریکا نے طالبان اور اُن کی حکومت کو تہس نہس کر دیا کہ کہیں یہ اسلامی نظام ابھر کر سر نہ اُٹھا لے۔ یہ ہے وہ خطرہ اور خوف، جس میں اس وقت مغرب اور خاص طور پر امریکہ شدت کے ساتھ مبتلا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم ممالک میں یہ تحریکیں ناکام کیوں ہو رہی ہیں۔ آخر کوئی اسلامی تحریک کامیاب کیوں نہیں ہوئی۔ تھوڑا بہت اسلام، شیعہ اسلام، شیعہ علماء کی حکومت ایران میں آئی۔ وہ بھی ایک سیاسی تحریک تھی۔ شاہ کی مخالفت جس میں کمیونسٹ بھی شامل تھے، جس میں لبرل اور سیکولر بھی تھے۔ مولوی اور مُلاّ بھی تھے۔ ہمارے پاکستان میں بھٹو مخالف تحریک اسلام کے نام پر چلائی گئی، لیکن اُسے آرمی نے ہائی جیک کر لیا۔ ایران میں شاہ مخالف تحریک کو ہائی جیک کر کے لے گئے علماء اور وہاں علماء کی حکومت قائم ہوگئی اور فدائین کا نام و نشان تک نہ رہا۔ ان تحریکوں کی ناکامی کا اصل سبب کیا ہے؟ یہ تحریکیں بھٹک رہی ہیں طریقہ کار کی راہ میں۔ ناکامی کے دو سبب ہیں۔ دوسرے سبب تو میں آئندہ ماہ گفتگو میں کروں گا۔ یہاں ایک سبب بیان کرتا ہوں۔ وہ ہے محمد ﷺ کے طریق کار (Methodology) سے انحراف رسول کریم ﷺ کے طریق پر عمل نہ کرنا۔ وہ ان سب تحریکوں میں مفقود اور ان کے رہنماؤں کی

نظروں سے اوجھل رہا ہے اور موجودہ زمانے کے چالو طور طریقے ہیں ان کو اپنائے ہوئے ہیں۔ مثلاً الیکشن کے ذریعے اسمبلیوں میں جائیں گے اور اسلام نافذ کر دیں گے۔ یہ خیال ایک فریب ہے، ایک دھوکہ ہے، ایک فراڈ ہے۔ اگر الیکشن کا راستہ اختیار نہ کیا جائے تو پھر دھونس، دھاندلی اور دہشت گردی کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ صرف یہی دو راستے رہ گئے ہیں۔ صرف ایک مسلم ملک الجزائر ہے جہاں الیکشن کے ذریعے سے ایک اسلامی جماعت واضح اکثریت کے ساتھ اسمبلی میں پہنچ گئی تھی اور قریب تھا کہ وہ موثر حکومت بنا کر اسلامی تعلیمات کے مطابق احکام جاری کرتی، کہ امریکہ کی شہ پر الجزائری فوج نے حکومت کے ساتھ اسلامی جماعت کا بھی تختہ اُلٹ دیا۔

اس بے انصافی اور سازش کے خلاف ردعمل پر الجزائری عوام دہشت گردی پر اُتر آئے۔ یہ راستہ بھی غلط، غصہ اپنی جگہ درست ہے۔ امریکہ کے خلاف غصہ صحیح ہے۔ سارے عربوں کا غصہ صحیح ہے، خاص طور پر فلسطینیوں کا غصہ صحیح ہے۔ افغانوں کا غصہ صحیح ہے۔ عراقیوں کا غصہ صحیح ہے۔ ہمارے ہاں کی جہادی تحریکوں کا غصہ صحیح ہے۔ لیکن غصہ کی تحریکوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ آپ الیکشن کے طریقے سے اسلام نہیں لا سکتے۔ غصے کے ردعمل کی تحریکوں سے اسلام نہیں لا سکتے۔ ہمارے پاکستان میں ''متحدہ مجلس عمل'' کے ارکان خاصی تعداد میں اسمبلی میں پہنچ گئے لیکن آج تک اسلام، شریعت اور اس کے نفاذ کے بارے میں انہوں نے کیا کیا۔ وہ لیگل فریم ورک آرڈر (ایل ایف او) کے مسئلے پر لڑے۔ نیشنل سیکورٹی کونسل کے اجلاس کا بائیکاٹ کیا۔ انہوں نے اسلام کا تو آج تک نام بھی نہیں لیا۔

رسول انقلاب کا طریق انقلاب

کوئی تو رہنما ہو، کوئی تو جماعت ہو جو راستہ دکھائے۔ سب ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں۔ بے شک جذبہ ہے۔ جان دینے سے بڑھ کر جذبہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ جوان لڑکیاں اپنے بدن سے بم باندھ کر دشمن سے ٹکرا رہی ہیں۔ یہ جذبہ تو وہ ہے جو سب کو نظر آ رہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ شدید جذبہ وہ ہے جو سویا ہوا ہے، جو خاک کے نیچے آ گیا ہے۔ وہ جذبہ جس کے تحت پاکستان بنا تھا، وہ جذبہ جو ہمارے اجتماعی تحت الشعور میں ہے۔ بہرحال اپنے تجزیئے اور تجربے کی روشنی میں یہی عرض کرتا ہوں کہ اُمت مسلمہ کی اس وقت سب سے بڑی ضرورت، محمد رسول اللہ کا طریق انقلاب'' اپنانے کی ہے۔ اس طریقے کو پہچانیں گے۔ اس پر عمل کریں گے تو یقیناً انقلاب آ...

گا اور گمان غالب یہ ہے کہ ہمارے پاکستان اور افغانستان سے آئے گا۔ یہ دونوں ملک ایک ہوں گے۔ کم سے کم مشرقی افغانستان ہم سے ملے گا۔ یا پھر ہمارا پختون علاقہ ہم سے کٹ جائے گا۔ دونوں میں سے ایک بات تو ہونی ہے۔ اِن دونوں کے ملاپ سے اسلام، سچے اسلام کے قیام، نفاذ کا آغاز ہوگا۔

میری آج کی گفتگو کا موضوع، جیسا کہ میں نے بیان کیا یہ معلوم کرنا ہے کہ ''موجودہ حالات میں اُمت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت کیا ہے، اور وہ میرے تجزیے کے مطابق اسلامی یعنی محمدیؐ انقلاب کے طریقہ کار کے ضمن میں ضروری اجتہاد ہے۔ اس جانب میں اپنی تالیف ''منہج انقلاب نبویؐ'' میں پوری تفصیل کے ساتھ توجہ دلا چکا ہوں۔ جن حضرات نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ میرے خیالات سے آگاہ ہیں، بلکہ متفق بھی ہیں۔ میں نے 15 مئی کو الحمراء ہال لاہور میں اسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے اور تازہ ترین بین الاقوامی سیاسی حالات کی روشنی میں اپنا پرانا تجزیہ ''رسول انقلاب کا طریقہ انقلاب'' کے عنوان سے ایک تقریر کی تھی۔ میں اپنی تمام تقریروں میں اسے ''شاہکار تقریر'' سمجھتا ہوں۔ میں ڈھائی گھنٹے تک انتہائی انہماک اور بہ صمیم قلب بولتا رہا اور علالت اور نقاہت کے باوجود تکان نہیں ہوئی۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ آپ بھی از کرم وہ آڈیو کیسٹیں حاصل کریں۔ اور ایک مہم کے طور پر اپنے احباب اور اعزہ کو کھانے کی دعوت دیں اور یہ آڈیو کیسٹیں اِن کو سنائیں۔ ویڈیوز زیادہ بہتر رہے گا۔ پھر سی ڈیز بھی موجود ہیں۔ پھر کتاب ''منہج انقلاب نبوی'' ہے۔ یہ چیزیں حاصل کیجئے اور بڑے پیمانے پر پھیلایئے۔ ہمارے اِس مشن کا ساتھ دیجئے، اِس لئے آج موجودہ حالات میں اِس کی سخت ضرورت ہے کہ طریق کار محمد رسول اللہ کی سیرت پاک سے اخذ کیا جائے اور جہاں حالات کی تبدیلی کے مطابق اجتہاد کی ضرورت ہو تو وہ بھی کیا جائے۔

(قند مکرر)

محفوظ سفر

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

ہر حکومت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک کے باشندوں کے مال و جان کی حفاظت کے لئے مناسب انتظامات کرے۔ اگر حکومت مسلمانوں کی ہو تو کفار کو ایمان کی دعوت دینا اور اہل ایمان کے ایمان کی حفاظت کرنا بھی اِس کے اہم ترین فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ انسان اپنی ضروریات زندگی کی خاطر شروع ہی سے سفر کرتا چلا آ رہا ہے اور سفر کو وسیلہ ظفر بھی گردانا جاتا ہے۔ اِسی لئے قدیم دور کے نیک دل بادشاہ مسافروں اور تجارتی قافلوں کی حفاظت اور سہولت کیلئے معروف گذر گاہوں پر کنویں اور سرائیں تعمیر کرواتے تھے اور راہزنوں کی سرکوبی کا اِنتظام کرتے تھے تاکہ مخلوق خدا کو راحت اور حفاظت میسر ہو اور وہ بے خوف و خطر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ موجودہ دور میں سفر کی سہولتوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے۔ ہر سو خشکی کے علاوہ بحری اور ہوائی سواریوں کا دن رات تانتا لگا رہتا ہے۔ جیسے جیسے ٹریفک کا ہجوم بڑھا اور نئے نئے مسائل نے جنم لیا تو حکومتوں کو بے شمار قوانین بنانا پڑے اور ان پر عمل درآمد کے لئے کئی محکمے کھڑے کرنے پڑے۔ مسافروں کی سہولت اور ٹریفک کو رواں دواں رکھنے کے لئے سنگ میل، سائن بورڈ اور روشنی کے سگنل نصب کئے گئے۔ موٹر وے، بائی پاس روڈ، انڈر روے اور فلائی اوور تعمیر کئے گئے۔ اہم جگہوں پر ٹریفک کے سپاہیوں اور خاص خاص گذر گاہوں پر گشتی پولیس کی تعیناتی کا اِنتظام کیا گیا۔

زمینی ٹریفک کے علاوہ بحری اور ہوائی جہازوں کی ٹریفک کو محفوظ بنانے کے لئے بین الاقوامی سطح پر قانون سازی کی گئی اور عمل درآمد کے لئے متعدد تنظیمیں وجود میں لائی گئیں۔ اِن انتظامات پر حکومتیں اربوں روپے سالانہ خرچ کرتی ہیں۔ مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ حادثات سے دوچار ہوئے بغیر اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ یہ تمام انتظامات عوام الناس کی فلاح کی خاطر کئے جاتے ہیں۔ اگر سب لوگ ان قوانین کی اہمیت کو سمجھیں اور سچے دل سے ان کا احترام کریں تو ٹریفک کے حادثات نہ ہونے کے برابر رہ جائیں کیونکہ قوانین کی خلاف ورزی ہی حادثات کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اگر کوئی حکومت صرف ایک دن کیلئے ٹریفک قوانین معطل کر کے یہ اعلان کر دے کہ اِس دن کوئی پولیس ملازم ڈیوٹی پر نہیں ہوگا اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جائے گی تو ایک ہی دن میں کثرت سے حادثات کی وجہ سے جان و

مال کا جو نقصان ہوگا اِس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ تمام قوانین انسانوں کی سہولت اور حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں اور اِن کی پابندی کرانے کے لئے ترغیب وترہیب دونوں طریقوں سے کام لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا حکمران ہے اور کرہ ارض پر بسنے والے انسان اسی کی رعایا ہیں۔ وہ تمام انسانوں کا خالق ہے اور اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اس انتہاء محبت کی وجہ ہی سے اس نے پورا اہتمام کر رکھا ہے کہ اولادِ آدم حیات ارضی کا مادی سفر تمام حادثات سے محفوظ رہ کر کامیابی سے طے کر کے اپنی منزل مقصود کو پالے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت سے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے تمام قوموں کی طرف اپنے برگزیدہ بندوں یعنی رسولوں کو بھیجا ہے جنہوں نے نہ صرف انسانوں کو یہ حقیقت بتائی کہ تمہارا مقصود حیات اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا کا حصول ہے بلکہ انہیں منزل تک پہنچنے کے لئے اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم بھی بتائی اور اِن کی سہولت کی خاطر اِس پر عمل کر کے اسوہ حسنہ قائم فرمادیا۔ انہوں نے انسانوں کو ان تمام ممکنہ کوتاہیوں، لغزشوں اور خطاؤں کی تفصیل بھی بتادی جن کی وجہ سے طالبان حق ست رفتار یا بالکل ہی بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی محبت سے ہٹانے اور گمراہ کرنے والے شیطان اور اِس کے کارندوں کی فریب کاریوں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے قدم بقدم صراط مستقیم پر آگے بڑھتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو جائیں اور یہی حقیقی اور عظیم کامیابی ہے۔ یہ سارا انتظام اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور بغاوت ہر دو سے بے نیاز ہے۔ اگر ساری دنیا مومن بن جائے یا کافر ہو جائے اِسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم جو کچھ بھی کریں گے اس کا فائدہ یا نقصان اور آخرت میں اس کی جزا یا سزا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہمیں ہی ملے گی۔ شریعت الٰہیہ میں کچھ کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اوامر کہلاتے ہیں، اِن کی پابندی سے دلوں کو نور عطا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی منزل کی طرف سالک کی رفتار تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اِن کے برخلاف جن کاموں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے وہ نواہی کہلاتے ہیں اِن سے انسان کا دل سیاہ اور سینہ بے نور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے چراغ کی روشنی کم تر ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر کار شیطان اِسے دنیا کی محبت اور نفسانی خواہشات کے جال میں پوری طرح جکڑ کر اندھیروں میں گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی منزل کھو دیتا ہے۔ جس طرح ٹریفک کے قوانین کی پابندی نہ صرف ہمارے اپنے لئے منزل پر جلد اور بحفاظت پہنچنے کی ضمانت ہوتی ہے بلکہ دوسرے مسافروں کیلئے بھی سکون اور سہولت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی طرح جو

انسان اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے اور اللہ کے دین کے مطابق اپنی زندگی گذارتے ہیں وہ نہ صرف خود پر وقار، پرمسرت اور پر اطمینان زندگی گذارتے اور دونوں جہانوں میں سرخرو ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے آس پاس اور اردگرد بسنے والے انسانوں کے لئے محبت و مروت اور رحمت ورافت کے علمبردار بنکر ان کی اصلاح وخدمت کے کاموں میں لگے رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

اس کے برعکس جس طرح کوئی شراب کے نشے میں مخمور یالاپرواہ ڈرائیور ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کر کے نہ صرف اپنی جان کو خطرات سے دوچار کرتا ہے بلکہ دوسروں کے مال وجان کے نقصان کا باعث بنتا ہے اور ٹریفک کے نظام کو درہم برہم کرنے کا مجرم قرار پاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے شرعی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والا انسان شیطانی توہمات اور نفسانی خواہشات کی دلدل میں پھنس کر خوف وحزن سے معمور زندگی گذارتا اور آخرت میں اس ناکامی کی سزا بھگتتا ہے۔ شریعت الٰہیہ کے خلاف انسان کا انداز فکر اور طرز عمل معاشی اور معاشرتی خرابیوں اور جرائم کو جنم دیتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاحب ارادہ اور صاحب اختیار پیدا فرما کر اپنے انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اسے سراپا رحمت اور فلاح دارین کا ضامن مکمل نظام حیات عطا فرمادیا ہے۔ اب ہماری دنیا وآخرت میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس امر پر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بندگی والی راہ کا انتخاب کرتے ہیں یا من مرضی والی یعنی کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورت الدھر کی آیت 29 اور سورت المزمل کی آیت 19 میں فرمادیا ہے۔

إن هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلاo

یعنی" یہ قرآن تو نصیحت اور یاددہانی ہے سو جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے"

اگرچہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے پھر بھی وہ اپنی بے پایاں رحمت کے غلبہ کے سبب ہمارے لئے کفر کی بجائے ایمان ہی کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ سورت الزمر آیت 7 میں ارشاد فرمایا۔ "اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے پرواہ ہے پھر بھی وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر شکر وایمان کی راہ اپناؤ گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے"۔

اطاعت رسول کی حدود

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

رسول کی اپنی خواہشیں بھی ہوتی ہے۔ اپنی رائے بھی ہوتی ہے، اپنا گمان بھی ہوتا ہے۔ اپنا اجتہاد بھی ہوتا ہے۔ غرض سب کچھ ہوتا ہے اور ان چیزوں سے متعلق جو قول یا عمل ہو وہ وحی کی حیثیت سے نہیں ہوتا۔ اگر اجازت ہو تو زیادہ صفائی سے عرض کیا جائے کہ مشورہ تو خدا بھی زبردستی نہیں منواتا۔ پھر رسول کا مشورہ ماننا کس طرح ضروری ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے کہ: سفر اور مرض میں روزہ ترک کرنے کی اجازت ہے لیکن یہ بھی ہے کہ **وان تصوموا خیر لکم۔۔۔ الخ** (اگر رکھ لو تو بہتر ہے) یہ حکم نہیں صرف مشورہ ہے کہ رکھ لو تو اچھا ہے۔ لیکن اگر کوئی ساری زندگی اس مشورے پر عمل نہ کرے تو گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ خدا کا صرف مشورہ ہے حکم نہیں۔ اس مثال سے رسولؐ کے مشوروں کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔

موجودہ دور میں ہمارے سامنے بہت سے مسائل ہیں جن کو حل کرنے کیلئے ہمیں روایات حدیث سے مدد لینی پڑتی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ حدیث کو پیش کرتے وقت رسولؐ کی تمام حیثیات کو فراموش کر دیتے ہیں اور حدیث کو ایک ہی حیثیت سے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ وحی رسالت یا امر امیر یا قضائے قاضی ہے جن کا تسلیم کرنا شرطِ ایمان ہے یا مشورہ، اجتہاد، گمان وغیرہ ہے۔ جن میں خود رسولؐ نے لا و نعم کی گنجائش رکھی ہے۔ بس فوراً یہ کہہ دیتے ہیں کہ:۔ "حدیث شریف میں یوں آیا ہے"۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اجلہ صحابہؓ نے آں حضرتؐ کے امر اور قضاء تک کو عصری حالات کے تقاضوں سے بدل دیا ہے۔ اس کی بیسیوں مثالیں ہم اپنے مختلف مضامین میں پیش کر چکے ہیں۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ حالات بدل جانے کے بعد منصوصات تک میں لچک پیدا کی ہے۔ جن مولفۃ القلوب کو بہ نص قرآنی صدقات دیے جاتے تھے۔ انہیں سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ نے روک دیا۔ تو جب یہ صورت حال ہو تو ان ارشاداتِ نبوی میں تغیر و تبدل کیوں نہیں ہو سکتا جن کے متعلق وحی رسالت یا امر امیر یا قضائے قاضی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں؟ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ شخصی باہمی قومی اور قومی معاملات شخصی بن گئے ہوں یا جن کو ہم دوامی سمجھے ہوئے ہیں دراصل وقتی ہوں اور جنہیں ہم غیر مشروط تصور کئے ہوئے ہیں وہ درحقیقت مشروط ہوں۔ سیدنا عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ

کی آنکھوں سے یہ باریکیاں پوشیدہ نہ تھیں۔ اِس لئے وہ بدلتے ہوئے حالات کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے اور ہم نے سارے احکام پر جمود طاری کر رکھا ہے۔

مثال کے طور پر ''تحدید نسل'' یا فیملی پلاننگ کے مسئلے کو لے لیجئے۔ بعض روایتوں میں ''عزل'' کی صاف اجازت ہے اور بعض میں کچھ ناپسندیدگی یا تعجب کا اظہار ہے اور بعض میں اسے واد خفی کہا گیا ہے۔ کسی میں ہے کہ آنے والی روح تو آ کر رہے گی، کسی میں ہے کہ اپنا مادہ تولید اگر پتھر پر بھی ڈال دو گے تو پیدا ہونے والی اولاد اسی سے پیدا ہو جائے گی، کسی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو عزل سے منع نہیں فرمایا۔ ان تمام روایتوں میں جو باہمی ٹکراؤ ہے اسے تو جانے دیجئے۔ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ ان میں سے کسی حدیث کے متعلق وحی رسالت یا امر امیر یا قضائے قاضی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ ایک بشری رائے یا گمان یا اجتہاد ہے اور ان چیزوں کے متعلق جو حکم ہے وہ ہم اوپر وضاحت سے مثالیں دے کر بتا چکے ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ جب غیر بشری باتوں میں صحابہؓ نے تغیر و تبدل فرمایا تو بشری باتوں میں تغیر و تبدل کو کیوں کفر سمجھ لیا گیا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ تحدید نسل کی تائید میں بھی روایتیں موجود ہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالات تحدید نسل کی حمایت نہیں کرتے اور اس کی یہ یہ دلیلیں ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ٹھیک ہے اور ہو سکتا ہے کہ موجودہ حالات میں تحدید نسل کی ضرورت پر جو دلیلیں پیش کی جاتے ہیں وہ کمزور ثابت ہوں۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ حالات کا تقاضا ہو یا نہ ہو عزل کی حرمت ایک دائمی حکم ہے اور اگرچہ دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں۔ لیکن ان سے ہم جیسے مزاج شناسِ رسولؐ ہی بتا سکتے ہیں کہ فلاں راجح اور فلاح مرجوح ہے۔۔۔ مزاج شناسانِ رسولؐ کو اتنی موٹی سی بات تو ضرور سمجھنا چاہیے کہ آنحضرتؐ ایسی خلاف حقیقت بات کبھی نہیں فرما سکتے تھے کہ پتھر پر بھی اپنا مادہ تولید ڈالو تو پیدا ہونے والی اولاد کو اُسی پتھر سے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا۔ دراں حالے کہ مرد کا SPERM جب تک عورت کے EGO سے نہ ملے اولاد نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس مادے کے متعلق ابھی کچھ نہیں معلوم کہ یہ لڑکا ہوگا یا لڑکی اُس کو ''واد خفی'' کیسے کہا جا سکتا ہے جبکہ ''واد'' کا لفظ صرف لڑکی کیلئے آتا ہے نہ کہ لڑکے کیلئے۔

رسول کی ایک اور حیثیت

ان چار حیثیتوں وحی رسالت، امر امیر، قضائے قاضی اور رائے بشری کے علاوہ حضور کی ایک اور حیثیت بھی ہے جسے سورہ نحل میں دوبار بیان کیا گیا ہے۔

(۱) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیک واملھم یتفکرون۔ (۱۶-۱۴۴)

ہم نے تیری طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے اس چیز کی وضاحت کرے جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے امید ہے کہ وہ تفکر کریں۔

(۲) وما انزلنا الیک الکتاب الالتبین لھم الذی اختلفوا فیه ھدًی و رحمةً لقوم یومنون۔

ہم نے تیری طرف کتاب نازل ہی اس فرض سے کی ہے کہ تو اُن کیلئے اس چیز کی وضاحت کرے جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں اور وہ اہل ایمان کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

ان دونوں آیات میں آنحضرت کو ''مبین'' بتایا گیا ہے یعنی تبیین کرنے والا۔ تبیین کے معنی ہیں کسی چیز کو کھول کھول کر وضاحت سے بتانا۔ دونوں آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن تو اللہ نے رسول پر انسانوں کے لئے اُتارا لیکن اس کی تبیین آنحضرتؐ کے سپرد کی گئی ہے۔ اب یہاں دو چیزیں قابل غور ہیں۔

(الف) ایک یہ کہ تبیین کا کیا مطلب ہے؟

(ب) دوسرے جب قرآن خود اپنے آپ کو مبین کہتا ہے تو رسول کس حیثیت سے مبین ہے

تبیین کے معنی

جہاں تک تبیین کے معنی کا تعلق ہے وہ کوئی پیچیدہ چیز نہیں۔ تبیین کے معنی ہیں واضح کرنا۔ یہ لفظ فعل لازم بھی ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے واضح ہونا۔ ان آیات میں یہ متعدی ہے جس کے معنی ہیں واضح و آشکار کرنا۔ ظاہر ہے کہ واضح اسی چیز کو کیا جائے گا جو واضح نہیں ہیں اور اُن کی وضاحت آنحضرتؐ کے ذمے کی گئی ہے۔ اس عدم وضاحت کی کئی

صورتیں ہیں۔ مثلاً

ا۔ وہ مجمل ہو اور اس کی تفصیل حضورؐ نے فرمائی ہو۔ مثلاً قرآن کا حکم ہے **اقیموالصلوٰۃ** (نماز قائم کرو) یہ حکم مجمل ہے اور اس کی تفصیل حضورؐ نے فرمائی کہ نماز اس طرح ادا کی جاتی ہے۔

(صلوا کما رائتمونی)

۲۔ وہ اصولی ہو اور اس کی فروع حضورؐ نے بتائی ہو مثلاً۔ **اٰتواالزکوٰۃ** (زکوٰۃ ادا کرو) اس کی تمام تفصیلات (کہ کس مال کی کتنی مقدار میں کتنی اور کب زکوٰۃ دی جائے وغیرہ) آنحضرتؐ نے بتائیں۔

۳۔ وہ عام ہو اور کسی خاص موقعے پر آنحضرتؐ نے اُسے منطبق کیا ہو۔ مثلاً خدا نے قتال کا حکم دیا اور آنحضرت نے کسی خاص موقع جنگ پر اسے عملاً منطبق فرمایا۔

۴۔ ایک عام لفظ ہو اور حضورؐ نے اس کی تفسیر فرمائی ہو۔ مثلاً کسی کو تحلیل وتحریم کا حقدار سمجھنا اتخاذِ اب (اسے رب بنانا) ہے۔

۵۔ عام حکم ہو اور آنحضرتؐ نے اُسے مشروط فرما دیا ہو۔ مثلاً **قطعوا ایدیھما** (چور کا ہاتھ کاٹ دو)۔ حضورؐ نے اس کیلئے کچھ شرطیں رکھ دیں کہ اتنی مالیت کی چوری ہو اور ایسے حالات میں ہو اور ہاتھ کلائی تک کاٹا جائے وغیرہ۔

۶۔ قرآنی آیات پر قیاس کر کے ایک نیا حکم اُستنباط فرمایا ہو۔ مثلاً بلا عذر روزہ توڑنے کے کفارے کا حکم قرآن میں موجود نہیں۔ لیکن آنحضرتؐ نے ظہار کے کفارے پر قیاس کر کے صوم رمضان کا کفارہ تحریر رقبہ، ساٹھ مسکینوں کا کھانا یا ساٹھ روزے مقرر فرمائے۔

۷۔ احکام بکھرے ہوئے ہوں (جیسا کہ قرآن میں ہیں) اور اُن کو ایک خاص ترتیب و نظم کے ساتھ معاشرے میں پھیلا کر ایک خاص نظامِ زندگی قائم فرمایا۔

غرض یہ ہے کہ دینی تعبیر وتفسیر INTER-PRITAION اور معاشرے کی تشکیل کا خاص انداز جو حضورؐ نے اختیار فرمایا وہ کل کا کل تبیین کے دائرے میں آ جاتا ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی ایک پانچویں حیثیت بھی ہے اور وہ ہے مفسر دین و مشکلِ معاشرہ کی حیثیت۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اِس حیثیت سے بھی حضورؐ کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک اس حیثیت سے بھی آنحضرتؐ کی اطاعت ویسی ہی ضروری ہے جیسی تین اول الذکر حیثیت کی یعنی وحی رسالت، امر امیر اور قضائے قاضی کی اِس لئے کہ اگر حضورؐ کی حیثیت فقط اتنی ہی ہوتی کہ قرآنی احکام پڑھ کر سنا دینے سے حضور کا کام ختم ہو جاتا تو نعوذ باللہ حضورؐ کا مقام بس اتنا ہی رہ جاتا ہے کہ جس طرح ایک حافظ قرآن تراویح میں پورا قرآن سنا کر اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ اُسی طرح حضور بھی قرآن سنا کر اپنا فرض پورا کر گئے۔ حضورؐ کا یہ منصب ہرگز نہ تھا۔ حضورؐ کا قرآن پڑھ کر سنانا پورے کام کا ایک گوشہ تھا۔ اور اصل کام یہ تھا کہ اس ہدایت آسمانی کے مطابق ایک متحرک معاشرہ قائم فرمائیں اور اس مقصد کے لئے آنحضرتؐ کو وہ سارے کام کرنے پڑے جن کا ذکر اوپر نمبروار ہوا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفسیر دین او تشکیل معاشرہ کا یہ انداز ہ حضورؐ کے کس منصب سے تعلق رکھتا ہے؟ ہمارے فہم کے مطابق یہ ایک ایسی حیثیت ہے جو اِن چاروں ۔۔۔۔ وحی رسالت، امر امیر، قضائے قاضی اور مشورہ بشری سے الگ بھی ہے اور اِن چاروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے بھی۔ جبکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا آنحضرتؐ کی اصل حیثیت یہی ہے اور مذکورہ بالا تمام حیثیتیں اِسی سمٹی ہوئی حیثیت کا پھیلاؤ ہیں۔ یہی ''تبیین'' کا صحیح مفہوم ہے اور یہی اصلی مقام رسالت ہے۔

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ پر ظلم:۔

(۵) شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحات مکیہ کے پہلے باب میں انہوں نے تین وصل قائم کیے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ اُنہوں نے سرمو اشاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لئے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف الیواقیت والجواہر، صفحہ ۷ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ پر لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخؒ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظے کیلئے بھی میزان شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس ہیں۔ (دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیدی ابوالطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے انہوں نے مجھے فتوحات کو وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں "ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ و سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور اس کے بعد علامہ مجدالدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے"۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ "اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے:۔

کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی"۔

"پھر لکھتے ہیں کہ زنادقہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس میں اپنے باطنی عقائد بیان کئے تھے، پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے تکیے کے نیچے رکھ دی تھی اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف

ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔

بعض دوسری مثالیں

(۲) سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ اپنی تصانیف نظم ونثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کر کے، اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک اور محل نظر بنا دیا۔ بخوفِ طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی جو منازل السائرین کے مولف ہیں۔ پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں سے ہیں لیکن ایک اسماعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارہ نشریات اسمعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسماعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی ویناف (INAVQW) نے مرتب کیا ہے پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے۔

"اگرچہ اسمٰعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا،،

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمٰعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کیلئے تصوف کو آلہ کار بنایا یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔

طوطی ام شہ مرابود مرات
شکرم از دکانِ عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلہ ما
خواجہ عبداللہ کہ زا انصار است

ان دونوں شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہوگئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو عطار احمد ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے۔ جنھوں نے سنی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی غرض سے اپنا ممدوح اور ژندہ پیل کو اپنا قبلہ بنالیا۔

پروفیسر مذکورہ اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا صفحہ ۶۹ پر لکھتا ہے کہ۔

"اسمٰعیلیہ نے اپنے شیعی تصوف کی خصوصیات کو بہر حال برقرار رکھا۔ انہوں نے ادبیات تصوف کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی"۔

یعنی باطنیہ نے سنی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنت کو ورطہ ضلالت میں ڈال دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسمٰعیلیہ حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیئے چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں

... یم کر لیا اور رفتہ رفتہ ان (... کے عقائد کو ... لئے قرامطہ کے عقائد
... اسلاف پر تنقید کو سوءِ ادب سمجھا اس لئے قرامطہ کے عقائد
...لفنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔
اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے چنانچہ ابونصر سراج
...پنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔
''بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفات ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے، لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے''۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں صفحہ ۴۶۰ پر یہ روایت درج ہے
''بضمن ظاہر و باطن عارف، علی ابن ابی طالب اسی طرح اُٹھا لئے گئے ہیں۔ جس طرح عیسیٰ اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے (میں استاد سید علی فرزند، سید محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ نوحؑ نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام کا اُٹھا کر رکھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا) وہ تختہ محفوظ رہا۔ چنانچہ علی اسی تختے پر اُٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علیؓ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ ابن سبا نے شائع کیا تھا۔

اِن دشمنانِ اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرورِ ایام سے وہ اوہام باطلہ اہل سنت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنفہ علامہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنت کے امام فی العقائد ابو حفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے عقائد النسفی علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے ''صحابہ کو ہمیشہ صرف کلمات خیر ہی سے یاد کرنا چاہئے'' علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

''بہر کیف یزید بن معاویہؓ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں، چنانچہ الخلاصہ میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو، بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز کہا ہے کہ جب اس نے الحسینؓ کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا ان لوگوں نے بھی ان پر لعنت کرنے کو ...

قرار دیا۔ جنہوں نے الحسینؓ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر رضا کا اظہار کیا۔
اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے:۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسینؓ پر رضامندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبیؐ کے خاندان کی توہین، یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔ اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے بلکہ ہمیں اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعوان وانصار سب پر خدا کی لعنت ہو
میری رائے میں یہ فقرہ جو حقیقت یہ ہے" سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا ہے علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں۔ کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ جلد سوم مطبوعہ ۱۳۹۵ھ صفحہ ۲۹۹/۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں۔
(الف) یزید نے (حسینؓ کے سر کو دیکھ کر کہا) خدا کی قسم اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔
(ب) کوئی عورت آل یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے (اس واقعہ پر) ماتم نہ کیا ہو۔
(ج) یزید نے حکم دیا کہ علی ابن حسینؓ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی ابن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔
(د) یزید نے کہا میں تو حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا۔ خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا اور میں یہ طرز عمل اس قرابت کی بناء پر کرتا جو اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل تھی۔
(ہ) اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نال کرے اس پر۔
(و) اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامان سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔
(ز) بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا" اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر۔ قسم بخدا کہ اگر میں اس کے ساتھ ہوتا جو وہ طلب کرتا اسے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا خواہ اس میں میرا کوئی ہی کیوں نہ کام آ جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تو نے دیکھا۔ اے بیٹے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو مجھے لکھنا۔
(ح) جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا اس شخص نے (جو قافلے کا سربراہ تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے؟ زینب

نے کہا" ہمارے پاس زیورات کے سوااور کیا ہے؟ پس دونوں نے اپنے سوارین اور دملحجین اتار سے اور
اس کے پاس بھیجے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ حسن سلوک رسول اللہ سے تمہاری
قرابت کی بناء پر کیا۔

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں
کہ ان تصریحات سے وُجوہِ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی
مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امیر یزید نے قتل حسینؓ کا حکم دیا تھا یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا
تھا یا جشن مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی ہی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ دوسرے لفظوں
میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس
لئے انہوں نے تاریخ طبری مصنفہ طبری المتوفی ۳۱۰ھ اور تاریخ اسلام الکامل مصنفہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰
ھ اور البدایہ والنہایہ مصنفہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ضرور پڑھی ہوگی اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱۔ یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے۔

۲۔ یا پھر اس عبارت کو ان سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے
۔ اس کے علاوہ، اس عبارت کے الحاق ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔

شرح عقائد نسفی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا اس
نسخے میں ہر جگہ حضرت حسینؓ کے نام کے آگے "رضی اللہ عنہ" لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا مسلمہ دستور ہے مگر
اس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر "ع" بنا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پر پہلے "رض" بنا
ہوا ہے تو یہاں اس فقرے میں "ع" کیوں بنا ہوا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ فقرہ
کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسینؓ کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے یعنی
طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آئندہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ
شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بجنسہٖ موجود ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ
مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارح کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

سیرۃ النبی کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرۃ غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینے میں ۸۵ھ میں پیدا
ہوا تھا اور بغداد میں سال ۱۵۱ھ میں فوت ہوا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسول
کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا جو بصرے میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت
ہوا۔ ابن اسحٰق کی سیرت آجکل سیرت ابن ہشام کے نام سے معروف ہے ابن اسحٰق غزوہ خیبر کے بلے
میں لکھتا ہے۔

"عبداللہ بن سہیل نے مجھ سے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ مرحب یہودی مسلح ہو کر

رجز پڑھتا ہوا نکلا، خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں (الخ)، رجز پڑھنے کے بعد اس نے سب مسلمانوں دعوت مبارزت دی۔ اس کے جواب میں کعب ابن مالک نے یہ رجز پڑھا خیبر جانتا ہے کہ میں کعب ہوں (الخ)۔

رجز خوانی کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا اس شخص کا مقابلہ کون کرے گا؟ محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا۔ مرحب کا مقابلہ میں کروں گا، کیونکہ اس شخص سے انتقام لینا مجھ پر واجب ہے جس نے کل میرے حقیقی بھائی کو قتل کیا تھا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے انہیں مرحب کے مقابلے میں جانے کی اجازت دی اور ان کی فتحیابی کیلئے دعا کی۔ جب مرحب اور ابن مسلمہؓ ایک دوسرے کی طرف بڑھے تو ایک درخت درمیاں میں حائل ہو گیا۔ انہوں نے اس کی شاخیں کاٹنی شروع کیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ پہلے مرحب نے وار کیا جسے ابن مسلمہ نے ڈھال پر روکا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے وار کیا اور مرحب کو قتل کر دیا۔

ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ جب مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی یاسر نے دعوت مبارزت دی تو حضرت زبیر بن العوام مقابلے پر نکلے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ نے آنحضرتؐ سے پوچھا، کیا دشمن میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟ آپؐ نے جواب دیا نہیں، بلکہ تمہارا بیٹا انشاء اللہ اپنے دشمن کو قتل کرے گا۔ حضرت زبیر یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے خیبر جانتا ہے کہ میں زبار ہوں اور ان لوگوں کا سردار ہوں جو غیر فرار ہیں (الخ) چنانچہ زبیر نے یاسر کو قتل کر دیا۔

بریدہ بن سفیان بن فروہ نے مجھ سے (ابن اسحٰق) کہا کہ میرے باپ نے الاکوع سے سنا کہ آنحضرت حضرت ابوبکرؓ کو خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کرنے کو بھیجا لیکن وہ قلعہ فتح کئے بغیر واپس آ گئے۔، دوسرے دن آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن وہی ہوا جو ان سے پہلے ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا وہ بھاگنے والا نہیں ہے چنانچہ دوسرے دن آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا آنکھیں اچھی ہو گئیں اور جھنڈا دیکر فرمایا "اسے لے کر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے"۔ چنانچہ حضرت علیؓ عجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھر کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کی ایک چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وحی کے مطابق تم کامیاب ہو گے یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا حضرت علیؓ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی۔

(ہ) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا

کہ میں ابورافع (آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؓ نے جلدی سے دوڑ کر ایک در (کواڑ) اٹھالیا جو قلعے کے پاس کھڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا جب فتح حاصل ہوگئی تو اُسے پھینک دیا۔ میں اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اُسے اُٹھا نہ سکے"۔ (مقتبس از انگریزی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق موسومہ سیرت رسول اللہؐ ۵۱۲ تا ۵۱۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵)

یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کئے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمانؓ بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اولین تصنیف ہے۔ اپنی تصنیف میں اِن سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے اور نہ اِن کا تذکرہ کیا ہے۔ محض اِس لئے کہ حضرت ابان دامادِ رسولؐ خلیفہ راشد امام مظلوم حضرت عثمان شہید فی سبیل اللہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہر حال اِن اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں۔

(۱) مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

(۲) حضرت علیؓ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

۳۔ عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؓ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا نہ اصول روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصولِ درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصول روایت کی رو سے اِس لئے نہیں کہ عبداللہ بن الحسن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو یعنی اِس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ اور اصول روایت کی رو سے اِس لئے نہیں کہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہی کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اُٹھا لینی چاہیے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اِس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ ازیں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

۴۔ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحٰق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا۔ ورنہ ابن اسحٰق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا اِس افسانے کو یقیناً زینت کتاب بناتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس

طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی تدلیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پاگئیں ۔ یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا فی الجملہ سیرت کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔ لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؓ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کیلئے میں البدایہ والنہایہ مولفہ امام ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) حافظ البزار نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یوم خیبر میں پہلے ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصہ ہے۔ اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم بالتشیع ہے۔

(۲) روایت کی موسیٰ ابن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن سلمہؓ تھے اور یہی کہا محمد ابن اسحٰق نے بروایت جابر ابن عبداللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا "قد علمت خیبرانی مرحب"۔ تو آنحضرتؐ نے کہا۔ اس کا مقابلہ کون کرے گا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا، میں کروں گا فنصر بہ محمد ابن مسلمہ حتی قتلہ، پس تلوار ماری ابن مسلمہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اس کو (یعنی مرحب کو) صفحہ ۱۸۹ جلد ۴۔

(۳) کہا یونس نے ابن اسحٰق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا نافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا اُن کو رسول اللہ نے اپنا جھنڈا دے کر جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا۔ میرے ساتھ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا مگر ہم سے دروازہ نہ پلٹا جا سکا۔

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے۔ **وفی هذا الکبر جهالة وانقطاع** ظاهر یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے)۔

...لکھتے ہیں۔

(۴) حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اُٹھا سکے ابن کثیر ...لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتبار) ہے۔

(۵) جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اُٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتماد) ہے (صفحہ ۱۹۰، جلد ۴)

(۶) الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔

(صفحہ ۱۸۹ اجلد ۱۴)

اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد چہارم صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء۔

بخوف طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمدللہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحٰق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کئے گئے ہیں۔ خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روایتیں جیسا کہ محدثین اور محققین ،مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے سراسر لغو ہیں۔ (سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول صفحہ ۲۸۸)

چونکہ میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں کہ نہ کہ تدلیس سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ اس لئے ایک چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا۔ جو اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدث تھے نہ مورخ تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقید۔ یہ سب باتیں سوءادب میں داخل ہو گئی تھیں۔ جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ ہم ہر بات کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے اگر کوئی بات کتاب وسنت کے خلاف ہو گی، **فھومردود**، خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو، لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سنی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہو گئی تھی کہ وہ قول کے حسن وقبح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل ونقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوءادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور آج کسی میں یہ اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دستبردار ہو جائے۔

(قند مکرر)

جنگ ستمبر اور صدر ایوب خاں کی تقریر

(آفتاب احمد خاںؒ)

ستمبر 1965ء کی جنگ کے بھی عجیب و غریب واقعات ہیں۔ ان دنوں ہر شخص کی زبان پر یہ کلمات تھے کہ پاک فوج بھارت کی عسکری قوت کو ہر محاذ پر پامال کر رہی ہے۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پاک فوج کی جرات اور بہادری کے کارنامے یورپ کے اخبارات میں شائع کروا رہے تھے۔ خاص طور پر کشمیر میں توی دریا کو عبور کر کے بھارت کے مضبوط ترین مورچوں کو تباہ کرنا اور پھر جموں شہر کے بلند پہاڑی علاقے میں دشمن پر کاری ضرب لگانا۔ اور یوں پاکستانی فوج کی دھاک سارے بھارت پر بیٹھ گئی۔ ادھر پاک فضائیہ کے شاہین پلٹ پلٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے اور بھارتی فضائیہ کو گھٹنوں بٹھا رہے تھے۔ پسرور کے ہوائی اڈہ پر بھارت کا ایک تیز رفتار لڑاکا طیارہ نیٹ (GNAT) اتار لیا گیا تھا۔ میں ان دنوں شادی کی ایک تقریب پر وہاں گیا ہوا تھا۔ اردگرد کے علاقے کے لوگ جوق در جوق بھارتی طیارے کو دیکھنے کے لئے پسرور کے ہوائی اڈے پر جا رہے تھے۔ میں نے اس جہاز کا دور سے نظارہ کیا۔ یہ خبر بھی تھی کہ جب یہ طیارہ اُتارا گیا اور پائلٹ کو گرفتار کیا گیا تو اس نے کہا کہ اس طیارے کو بھارتی فضائیہ حملہ کر کے اِسی جگہ تباہ کر دے گی کیونکہ اِسے یہاں سے کسی محفوظ ہوائی اڈے پر اڑا کر لے جانا پاکستانی پائلٹوں کے بس کی بات نہیں کیونکہ اِسے اڑانے کی مہارت صرف بھارت کے پاس ہے۔ شام کا وقت ہونے کو تھا اور ہم اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ پسرور شہر کی طرف واپس آ رہے تھے تو ہم نے دیکھا کہ وہی طیارہ پسرور سے اُڑ کر فضا میں بلند ہو گیا ہے۔ دوسرے دن کے اخبارات سے پتہ چلا کہ ایک پاکستانی شاہین نے وہ طیارہ اڑایا اور بحفاظت سرگودھا ائیر بیس پر اُتار لیا۔ میں اگلی صبح لاہور واپس آ گیا اور راستے ہی میں پتہ چلا کہ ہندوستان نے واہگہ پر حملہ کر دیا۔ لاہور کی فضاء اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہی تھی اور لوگ سڑکوں پر گروہ در گروہ جمع تھے۔ اور ہر فرد بھارت کی مرمت اور ٹھکائی کرنے کے لئے مستعد تھا۔ میں جلدی جلدی گھر پر بچوں کو اُتار کر قبلہ حضرت انصاری صاحب کے ہاں گلبرگ چلا گیا۔ وہاں کافی پیر بھائی جمع تھے اور قبلہ حضرتؒ درمیان میں بیٹھے مسکراتے ہوئے محوِ گفتگو تھے۔ میں جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ''تمہارے پاس بہت ہی خوش کن خبریں ہیں'' اِس پر میں نے پسرور کی ساری باتیں بیان کیں۔ قبلہ حضرتؒ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ معرکہ تو اب شروع ہوا ہے اور لاہور میں پاک فوج کی جرات اور بہادری تاریخ کا حصہ بنے گی۔ تمام اسلامی دنیا کی نظریں اب لاہور محاذ پر لگی ہوئی ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ فتح پاکستان کی ہوگی اور بھارتی فوج بہت جلد پیچھے دھکیل دی جائے گی

اہم خبر یہ اعلان جو ہونا تھا ہو گئی۔ اسی دن ٹھیک گیارہ بجے ریڈیو پر صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان صاحب کی تقریر تھی اور لوگ بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی گیارہ بجے اور ریڈیو پر اعلان ہوا کہ اب صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان قوم سے خطاب فرمائیں گے تو فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ اور اس وقت تو لوگوں کی عجیب حالت تھی جب صدر پاکستان نے اپنی گرجدار آواز میں کہا کہ دشمن نے رات کے اندھیرے میں مکاری سے بغیر اعلان جنگ کے ہماری سرحدوں پر حملہ کیا ہے اسے معلوم نہیں کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے۔ عین اس وقت قبلہ حضرت نے عجیب انداز اور رقت کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا ورد کیا اور عجیب اتفاق تھا کہ اس کے فوراً بعد صدر پاکستان نے بھی یہی کلمہ دہراتے ہوئے کہا کہ **لا إله الا الله محمد رسول الله** کا ورد کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو اور یوں یہ کلمہ طیبہ تمام پاکستانیوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔

مختصر یہ کہ 1965 کی جنگ کی عجیب بات یہ تھی کہ **لا الـه الا اللّـه** کا ذکر ہر شخص کی زبان پر جاری ہو گیا اور ہمارا حلقہ تو ایک مست مجاہد کی طرح سے کیف و مستی میں ڈوب گیا۔ آپ کہا فرمایا کرتے تھے کہ مجاہد کی ایک ساعت ہزار ولیوں کی عبادت اور ذکر پر حاوی ہوتی ہے شاید یہی وجہ تھی کہ جب ہماری محفل ذکر میں ہمارا کوئی دوست مجاہد ہوائی وقت نکال کر شامل ہو جاتا تو محفل کا رنگ ہی بدل جاتا۔ قبلہ حضرت کی کیفیت بھی عجیب سی ہوتی تھی۔ کبھی تو خوشی سے چہرہ دمک جاتا اور کبھی آنکھوں سے سیل رواں بہہ نکلتا۔ قبلہ حضرت نے اس جنگ کے تمام ایام اپنی گلبرگ والی رہائش گاہ کے سبزہ والی کوٹھی کے لان میں لگے ہوئے گھنے درخت کے نیچے ہی گزار دیے۔ ریڈیو آپ کے پاس ہوتا تھا اور آپ اہم اعلانات اور خبریں بہت غور سے سنتے اور اپنے ہاتھ کی شہادت والی انگلی کی حرکت سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اشاروں سے ہدایات دے رہے ہیں۔ ایک صبح میں حاضر خدمت ہوا تو وہاں چند دوسرے دوست بھی تشریف رکھتے تھے اور بات ذکر قلب کے جاری ہونے کے بارے میں چل رہی تھی۔ قبلہ حضرت فرما رہے تھے کہ بڑی ریاضت سے اور کسی اہل دل ولی کی خاص توجہ سے قلب جاری ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ کام ہوتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے مہربانی کرتا ہے کہ صدر ایوب جیسے انسان کے منہ سے کلمہ طیبہ نکلتا ہے تو بارہ کروڑ پاکستانیوں کے قلب جاری ہو گئے اس وقت کہاں گئی وہ ریاضت اور ولی کامل کی توجہ؟ یہ معاملہ حساب و کتاب سے ماورا ہے۔ فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے ... تو قبلہ حضرت کی آنکھوں سے دو موتی ڈھلک پڑے۔ عین اس وقت ... کی وجہ سے اس دور میں حقیقت جہاد سے آشنائی ہوئی ہم ... خوش قسمت ہیں۔

اسلام اور سائنس

(حکیم محمد سعید)

بیسوی صدی، سائنسی عروج وترقی کی صدی کہی جا سکتی ہے، بہ الفاظ دیگر اسے ہم دانش انسانی کی ہمہ گیری کی صدی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہر عہد کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے اس عہد کا بھی ایک خاص مزاج ہے، جسے ہم اختصار کے ساتھ ''عقلیت'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ عصر حاضر نے انسانی فکر ونظر اور استدلال کی اساس و بنیاد عقلیات وحسیات پر رکھی ہے اور آج کے مادی انکشافات اور علوم عقلیہ کے فروغ وارتقا نے انسان کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ عالمی معاشرے کا مزاج اپنے ماضی سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔ خرد کی سمتوں اور جہتوں میں اس کے قدم تیزی کے ساتھ زماں ومکاں کے فاصلے طے کر رہے ہیں اور انسانی ترقی کے نئے نئے اُفق سامنے آ رہے ہیں۔

مگر ان ساری باتوں کو اس عہد کی انفرادیت سے تعبیر کرنے سے پہلے سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ کیا واقعی یہ ترقیاں اس دور کی اولیات اور ایجادات میں ہیں اور کیا انسانی طرز استدلال کی عقلیت اور تجربیت عالمی تہذیب کیلئے بالکل نئے رجحان کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بات تو بہر حال تسلیم واعتراف سے بے نیاز ہے کہ سائنسی اور عقلی علوم نے رفعتوں کو چھو لیا ہے، اور ان کا مسلسل ارتقاء ہو رہا ہے، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو پھر ماضی سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور ہوگا اس لئے کہ دنیا کی کوئی چیز ماضی، حال اور استقبال کے تسلسل کو گرفت میں لئے بغیر ارتقا کے مراحل سے نہیں گزر سکتی اگر آج سائنسی علوم نے مختلف شعبوں میں ترقی کی ہے تو ماضی میں ان کی اساس اور آج کے طرز استدلال کے عقلی وحسی رجحان کی بنیاد کی جستجو بے معنی نہ ہوگی۔ اور جب ہم اس نقطہ نظر سے آج کی تاریخ سائنس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ماضی میں اسلام سے اس کے گہرے رشتے کا احساس ہوتا ہے۔ اسلام اور سائنس کی رفاقت اور ہم آہنگی اور دونوں کا ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ ارتقا کچھ عجب نہیں ہے۔ میں یہاں بنیاد اور اساس کی بات کر رہا ہوں، اس لئے کہ سائنس نے اپنے ارتقاء کیلئے اپنی الگ راہ بیسویں صدی میں نکالی اگرچہ آج موجودہ حقائق کی محققانہ بازیافت کی منزل سے وہ آگے نہیں بڑھی ہے۔ ہاں تو سائنس اور اسلام کے رشتے کی بات ہو رہی تھی۔

دراصل جب ہم اسلام کا نام لیتے ہیں تو عمداً یا سہواً اس غلطی کے ضرور مرتکب ہوتے ہیں کہ

اسے دوسرے مذاہب کی طرح محض روحانی اور مابعد الطبیعی عقائد کا مجموعہ سمجھتے ہیں اور غالباً اسی لئے عقل و خرد کے ساتھ اس کے رشتے کی تلاش و جستجو کو ہم لاحاصل سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ وہ نہ تو صرف عقائد کا مجموعہ ہے، نہ علم و تجسس کا مخالف، وہ دریافت حقیقت کے عقلی و نقلی دونوں زاویوں کا موید اور حامی ہے اور اس کے قائم کردہ معاشرے میں علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ دونوں کا ارتقا دوش بدوش ہوتا رہا ہے، خود قرآن کریم اور سنت نبوی بیشتر سائنسی اور طبعی حقائق کا اصل منبع اور سرچشمہ ہے۔ انفس و آفاق کی سیر کی دعوت اور ارضی و سماوی حقائق کی جانب واضح اشارات اسلامی سائنس کے اولین ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں، صاحب وحی و رسالت ﷺ کا یہ ارشاد اسلامی سائنس کا راہنما رہا ہے۔ العلم سلاحی۔

اور اس عہد میں عقل و نقل کی تمیز و تفریق نہیں، اس لئے اسلام کائنات کے جن منطقوں سے گزرا اپنے ساتھ ساتھ روحانی عقائد ہی لے کر نہیں گزرا بلکہ علم و فن، تحقیق و تفتیش اور نقد و تجزیہ کے چراغوں سے زندگی کی شاہراہوں کو روشن کرتا ہوا گزرا، انسانوں کو جہل کی ظلمتوں سے نکال کر علم و تحقیق کے اجالوں میں لایا۔

اسلامی سائنس کی ابتدا کی طرف تو میں اشارہ کر چکا ہوں اور اب اسلام کے ہر عہد کی سائنسی تحقیقوں اور ان کی خصوصیتوں کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کر رہا ہوں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ فکر و نظر کی ایک اساس و بنیاد وحی و رسالت نے فراہم کر دی تھی اور وہ تھی ''توحید'' جس کی [illegible] وحدت میں کی جا سکتی تھی۔ اور تمام تر طبعی حقائق کی دریافت اسی ایک بنیادی [illegible] میں ممکن تھی، چنانچہ اسلامی فلسفیوں اور سائنس دانوں نے اس کو بنیاد قرار دے کر [illegible] تحقیق کا آغاز کیا اور فلکیات، طبیعات، طب، کیمیا، ریاضی، جغرافیہ اور سائنس کے متعدد [illegible] نئے انکشافات کئے بلکہ ان کی تنظیم اپنے طور پر کی، جو جدید یورپ کیلئے [illegible]

[illegible] وسیع النظری اور بے تعصبی، مسلمانوں کو ورثے میں ملی تھی۔ اس لئے دائرہ [illegible] کی وسعت اور مختلف اقوام و ملل کے تہذیبی اختلاط سے جو علوم سامنے آئے ان کا پوری [illegible] سے انہوں نے مطالعہ کیا، ان کے ذخائر اپنی زبان میں منتقل کئے۔ اور اپنے انتقادی شعور کے ساتھ ان حقائق پر غور و فکر کر کے اسلامی مزاج دے کر انہیں آگے بڑھاتے رہے۔

یہ عہد بنو عباس کا ہے اور اسلام کی پہلی صدی ہجری ہے۔ جب فلسفہ یونان عربی میں منتقل ہو کر مسلمان ہو رہا ہے۔ پھر ایران کی فتح کے بعد پہلوی زبان کا فلسفیانہ سرمایہ بھی مسلمانوں کے غور

وخوض کا موضوع بنا۔ اور ہندوستان سے تعلق کی بناء پر سنسکرت سے منتقل ہونے والا فلسفہ بھی ان کی اپنی گرفت سے باہر نہیں تھا، اندلس میں امویوں کی مستحکم حکومت سے مسیحی اقوام کا فلسفہ اور پھر چین کا فلسفہ، مسلمانوں کی تحقیقی جولا نگاہ کو وسیع کرتا گیا۔ اس طرح دنیا کے تمام عظیم فلسفیانہ سرمائے عربی میں منتقل ہو گئے اور عربی اِس عہد کی دنیا کی سب سے بڑی سائنس کی زبان بن گئی۔ پہلی صدی سے چوتھی صدی ہجری تک تو مسلمان مفکرین تراجم کے ممنون رہے۔ لیکن بہت جلد وہ وقت بھی آ گیا جب ابن سینا غزالی ابن رشد اور فارابی نے اسلامی سائنس کو مالا مال کیا۔

کندی پہلا مسلمان سائنس دان ہے جس نے سب سے پہلے علت معلول کا رشتہ تلاش کیا اور اس پر باقاعدہ تحقیقی بحث کی۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن خلدون نے تاریخ کو سائنسی تنظیم کے ساتھ پیش کر کے اِسے بہت آگے بڑھا دیا۔

سب سے پہلے آپ طبیعات کو لے لیجئے تو معلوم یہ ہوگا کہ مسلمان نہ صرف دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں اور ندیوں، نہروں سے واقف تھے، بلکہ موسم اور مزاج، حرارت برودت کا سائنٹفک انداز رکھتے تھے۔ اِس سلسلے میں الکرخی کا نام لینا کافی ہوگا۔ تیسری صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک طبیعیاتی سائنس میں جن مسلمانوں نے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے اِن میں الکندی ہے جس نے رسالہ فی انوار الجواہر الثمینہ لکھا۔ پھر یعقوبی، رازی اور سامانی جن کی کتاب المرشد معدنیات کی تحقیق کی رہنما کتاب ہے، لیکن اس سلسلے میں اہم ترین کتاب ابن سینا کی القانون اور الشفاء اور بیرونی کی الجماہیر طبیعیاتی تحقیق کے اعلیٰ مواد کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعد کے محققین مثلاً قرط وغیرہ نے نباتات کی تحقیق کا کام شروع کیا جس کا اعلیٰ نمونہ روضۃ الحدائق والریاض الحائق مسعودی کے یہاں بھی طبیعی علوم کی تحقیق کے مواد کی کمی نہیں ہے۔

جہاں تک نباتات کا تعلق ہے، مسلمان اِس فن کے ماہر ہی نہیں بہت بڑے محقق تھے اور اس سلسلے میں جابر بن حیان کی کتاب علم النبات بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کتاب الحدود میں بھی اس فن کی محققانہ معلومات موجود ہیں۔ نباتات پر کام دراصل دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا اور ابوفراابن الشمائل، ابوزیاد انصاری، ار ابن الثقفہ نے کتاب البنات والشجر لکھ کر زرعی تحقیق کے مواد بھی پیش کر دیئے اور اس طرح مسلمان علماء نے سائنسی زراعت کا علم پیش کیا۔ ابن بجاجہ زرعی علوم کے ماہر محقق کی حیثیت رکھتا ہے جس کی کتاب الجربات اِس فن کی قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ پھر آٹھویں اور نویں صدی تک قزوینی اور متوفی وغیرہ نے تحفۃ العجائب لکھ کر اس فن کو آسمان پر پہنچا دیا۔

علم الحیوانات ۔سائنسی علوم میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔مگر مسلمانوں نے اس فن میں جو تحقیقات کی ہیں ان کا اولین نمونہ یحییٰ ابن بطریق کی کتاب سر الخلائق ہے اور پھر بعد میں اس فن کی تکمیل کی منزل تک ابونصر ابن الشمائل، صمعی، ابن العربی، ابوعبیدہ، ابوالہاشم بجستانی، بشر ابن المعتمر، ابواسحاق نظام وغیرہ نے بہت اہم محققانہ تصنیفات پیش کیں۔

کندی اور فارابی نے بھی اس طرف توجہ کی، لیکن قتیبہ کی عمدۃ الاخبار کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ابن سینا قزوینی، دمشقی، جلدکی اور اور ابن رشد وغیرہ کے کارنامے بھی اس فن کی تحقیقات کا مظہر ہیں۔ریاضیات کو آج کی سائنس میں اہم وسیلے کی حیثیت حاصل ہے، لیکن شیخ بہاء الدین آملی، ملا محمد باقر یزدی وغیرہ نے اقلیدس اور ہندسہ میں اپنی تحقیقات پیش کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور آج کی ساری تحقیقات انہی بنیادوں پر ہو رہی ہیں۔حمزہ ابوالعباس مصری، نصیر الدین طوسی الجبر والمقابلہ کے اصول کے مخترع کہے جا سکتے ہیں۔ثابت ابن القرہ اور تبریزی، خیام اور طوسی کے نظریات اقلیدس و ہندسہ آج بھی نصاب ریاضی کا اہم حصہ ہیں۔

فلکیات اور ہیئت میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیل کیلئے ابوسہل کوہی یزجانی وغیرہ کے علاوہ ابن سینا کی کتاب التفہیم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔قطب الدین شیرازی، محی الدین اردی اور ان کی بنائی ہوئی رصدگاہیں، اس فن میں ان کی مہارت کا ثبوت ہیں۔

جہاں تک علم طب اور اس کے متعدد شعبوں کا تعلق ہے، اس میں مسلمانوں کے کارنامے جدید میڈیکل سائنس کو آگے بڑھانے اور ان کو اعلیٰ ترین قیمتی مواد پہنچانے کی بناء پر اس کے محسن اعظم کہے جا سکتے ہیں۔امراض، اسباب، ادویہ، تشخیص، دواسازی وغیرہ پر ابن سینا، ابن بلا، ابن البیطار الزہراوی اور سمرقندی وغیرہ نے جو عظیم الشان تحقیقات کی ہیں، وہ نہ صرف موجودہ میڈیکل سائنس کے اہم مطالعہ کا موضوع ہیں، بلکہ اس کی تحقیقات اب تک اُس معیار تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔

سائنس کے یہ چند شعبے اور محض مختصر سے نام تھے جنہوں نے دوسری صدی ہجری سے لے کر بارہویں صدی تک علوم عقلیہ کو آگے بڑھانے اور اس کے متعدد شعبوں میں نت نئی تحقیقات کا عمل جاری رکھ کر عالمی معاشرے کو اسلامی سائنس سے روشناس کرانے کا فریضہ انجام دیا، اور ان کوششوں کے تسلسل سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہیں ہے کہ اسلام کا سائنس کے ساتھ پہلے بھی رشتہ تھا، اور آج بھی ہے اور مسلمانوں نے اس علم کو اپنی تحقیقات سے ہمیشہ مالا مال کیا ہے۔

موجودہ سائنسی علوم کی اساس مسلمانوں کے افکار و تجربات پر قائم ہے

یورپ کے مفکر اس حقیقت معلوم سے بے خبر نہیں کہ ظہور اسلام اور اس کے ہمہ گیر تصور علم
...ل نے اقوام عالم کی تقدیریں بدل دیں اور کائنات کی نشو و نما میں بصیرف افروز اضافہ کیا، لیکن
...تمام سائنسی علوم کے ترویج و ارتقا میں اہل یورپ کے علاوہ صرف یونان کا نام لیتے ہیں اور ان
...ثقافات و اجتہادات کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا اُن علمی ثقافتی اور تہذیبی کارناموں سے صرف نظر
...رتے ہیں جو آگے چل کر اموی، عباسی اور فاطمی ادوار تہذیب و تمدن کی بدولت روشنی میں آئے
ذیل میں ہم مسلمان سائنس دانوں اور موجدوں کے مختصر تعارف کے ساتھ اپنے قارئین کو یہ
...تے ہیں کہ تاریخ و جغرافیہ، فلکیات، ارضیات، نباتات، حیاتیات، طبیعات، حیوانات،
...عدنیات، علم کیمیا اور علم ہندسہ و ہیت وغیرہ سے اہل دنیا کو انہی مسلمان مفکرین نے روشناس
...رایا، جن کے بارے میں مغرب کے دیانتدار اہل علم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن
...تعصب اہل قلم ان تمام علوم کا سہرا صرف مغرب کے سر باندھتے ہیں۔ صدیوں پہلے یہ مسلمان
...ائنس دان ہی تھے جن کے علمی انہماک اور اصول سائنس کی روشنی میں فنی تجربات نے ٹیکنالوجی
...کی ...ن راہیں ہموار کیں۔ اِن صفحات میں آپ ان کے درخشاں کارنامے ملاحظہ فرمائیں، حق
...نگاہیں اور راست گو قلم ان کے حق میں فیصلہ صادر کر چکے ہیں۔

ابن رُشد ۱۱۲۶ء، ۱۱۹۸ء

ابن رُشد قرطبہ کے عالم و فاضل اور عہدہ قضاۃ پر مامور خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کا
...ل نام کنیت ابوالولید اور پردادا کا نام ابن رُشد تھا۔
وہ یورپ میں ''ایویروز'' کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ابن رُشد مشرقی دنیا
...کے نہیں بلکہ مغربی دنیا کے بھی حکیم ہیں۔ یورپ کے علمی احیاء کے بعد ان کی شہرت مغرب
...مشرق کی طرف منتقل ہوئی، فلسفے کا مذہب سے جو تعلق ہے اِس کی جھلک ابن رُشد کے اُن
...ناموں میں بخوبی جھلکتی ہے، جو انہوں نے قرطبہ کے قاضی کی حیثیت سے صادر کئے تھے۔

ابن الہیثم ۳۵۴ھ تا ۴۳۰ھ

...ن بن حسین بن الہیثم علم المناظر کے امام تصور کئے جاتے ہیں، یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے
...آئینوں اور پانی سے گزرتے وقت روشنی کی کرنوں کے انعطاف پر تجربے کئے۔ ماہر بصریات
...سے پہلے یونانیوں کا خیال تھا کہ ہمیں چیزیں اس وقت دکھائی دیتی ہیں جب آنکھوں سے
...نکلنے والی روشنی کی کرنیں ان چیزوں سے ٹکرا کر دوبارہ ہماری آنکھوں میں واپس آتی ہیں۔

ابن البیطار ۱۱۸۱ءتا۱۲۴۸ء

ابو محمد عبداللہ ابن احمد البیطار صرف اسلامی دنیا ہی میں نہیں بلکہ اپنے پورے عہد کے مایہ ناز ماہر نباتات تسلیم کئے گئے ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی تلاش اور تحقیق کے شوق میں اپنے وطن ہسپانیہ سے نکل کر شمالی افریقہ کے راستے مصر سے قسطنطنیہ تک تحقیق نباتات میں سرگرداں رہے۔ اس طویل سفر میں انہوں نے تقریباً چودہ سوایسی جڑی بوٹیاں دریافت کیں جواُن سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھیں۔ ابن بیطار نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الفی فی الادویہ المفردہ'' میں ادویہ کے خواص اور ترکیب استعمال پر روشنی ڈالی ہے۔

جابر بن حیان ۷۲۱ءتا۸۰۶ء

ساتویں اور آٹھویں صدی میں یورپ اور مشرق پر ذہنی تساہل کی جو فضاء چھائی ہوئی تھی۔ اس کا خاتمہ عالم اسلام کی اس سرگرمی عمل اور جوش فکر سے ہوا جو مسلمانوں نے علم وحکمت کی دنیا میں کیا۔ اصل حقیقت جو نا قابل تردید ہے یہ ہے کہ یہ دور جابر تھا۔ جابر کوفے کے نامور عطار احمد خیان کے بیٹے تھے جو پہلے کیمیادان ہونے کی وجہ سے بابائے کیمیا کہلائے۔ انہوں نے مادے کو ارسطو کے عناصر اربعہ کے یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے طلسم سے نکالا اور اسے گرمی، سردی خشکی اور نمی کی صفات سے متصف کیا، اس طرح جوہری نظریئے کو جابر نے جدید بنیادوں پر استوار کیا۔ سولہویں صدی کے یورپی کیمیادان جابر بن حیان کی تعلیمات اور تجربات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ برٹش کا نامور کیمیاداں ٹامس مارٹن خود کو جابر کا باورچی کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔

الطبری ۸۲۲ءتا۸۹۹ء

ابو موسیٰ علی بن ربن کو طبرستان میں پیدا ہونے کی رعایت سے الطبری لکھا جاتا ہے۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف فردوس الحکمۃ اسلامی طب پر سب سے قدیم اور مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ ان کی عظمت کا اندازہ اِس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ دنیائے اسلام کے عظیم طبیب الرازی کے استاد تھے۔ رازی کے علاوہ ابن سینا نے بھی فردوس الحکمۃ سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ یہ کتاب ایک طرح سے ہندی اور یونانی طب کی انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ طب کے علاوہ ربن کو فلسفہ، ہیت، ریاضی، کتابت اور سیاست سے بھی گہری دلچسپی تھی۔

رازی ۸۶۴ءتا۸۲۵

ابوبکر محمد بن الزکریا الرازی دنیا کے پہلے طبی انسائیکلو پیڈیا ''الحاوی'' کے مصنف اور نویں صدی عیسوی میں دنیا کے سب سے بڑے طبیب تھے۔ انہوں نے چیچک اور خسرہ جیسی

بیماریوں کی تشخیص پہلی بار کی، ان کا علاج تجویز کیا، اور ان پر دنیا کی پہلی کتاب تصنیف کی۔ ان کی مایہ ناز انسائیکلو پیڈیا "الحاوی" اٹھارویں صدی تک فرانس اور انگلستان کی میڈیکل یونیورسٹیوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔ پیرس کی میڈیکل یونیورسٹی میں ان کی تصویر آج بھی آویزاں ہے۔

الفارابی ۸۷۰ء تا ۹۵۰ء

ابونصر محمد بن محمد الفارابی ترکستان کے شہر فاراب میں پیدا ہوئے۔ اسی رعایت سے فارابی کہلائے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں صرف چار حکیم پیدا ہوئے، دو اسلام سے پہلے اور دو ظہور اسلام کے بعد۔ مسلمان حکیموں میں سے ایک کا نام ابونصر فارابی ہے اور دوسرے کا نام بوعلی سینا، اگرچہ فارابی طب کے ماہر تھے، لیکن انہوں نے عملاً کبھی طبابت نہیں کی۔ وہ دوسرے کئی علوم کے علاوہ موسیقی کے بھی ماہر تھے۔ آج جس ساز کو قانون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ فارابی ہی کی ایجاد ہے۔

الزہراوی ۹۳۲ء تا ۱۰۰۴ء

ابوالقاسم بن ابن العباس الزہراوی صرف اسلامی دنیا ہی کے نہیں، بلکہ پوری دنیا کے پہلے نامور سرجن ہیں۔ انہوں نے انسانی اعضاء کی تحقیق کیلئے "پوسٹ مارٹم" کی ضرورت پر زور دیا۔ سرجری کی پہلی کتاب کے یہ نامور مصنف، مثانے کی پتھری توڑنے کی دواؤں کے نام اور استعمال سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان کی یہ کتاب وینس، آکسفورڈ، بیل سلرنو اور مونٹ پلییئر کی طبی درسگاہوں میں سترہویں صدی تک جراحی کے نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔

البیرونی ۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء

اپنی قسم کی پہلی کتاب "آثار الباقیہ" کے مصنف ابوالریحان محمد ابن احمد البیرونی روئے زمین کے حکماء میں وہ پہلے حکیم ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ "سندھ کی وادی کسی قدیم سمندر کا ایسا طاس ہے جو رفتہ رفتہ مٹی سے بھر گیا"۔

آج طبقات الارض کے ماہرین جدید آلات سے مسلح ہو کر البیرونی کے اس نظریے

کی تائید میں ثابت کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے ریگستان کسی زمانے میں سمندر کے طاس تھے۔

بوعلی سینا ۹۸۰ء تا ۱۰۳۷ء

تھرمامیٹر کے موجد اور "القانون" کے مصنف ابوعلی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا کو عرب تاریخوں میں "الشیخ الرئیس" اور "المعلم الثانی" کے خطابات سے نوازا گیا ہے۔ اِن کی بے مثال تصنیف "القانون فی الطب" اٹھارویں صدی تک یورپ کے میڈیکل یونیورسٹیوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔ انہوں نے صرف یورپ کے طبیبوں ہی کو نہیں بلکہ ڈیکارٹ جیسے فلسفیوں کو بھی متاثر کیا۔

وجودِ نفس کے اثبات میں ڈیکارٹ کا سارا فلسفہ شیخ الرئیس کے چمنستانِ فلسفہ کی خوشہ چینی ہی پر موقوف ہے۔

ابن النفیس ۱۲۱۰ء تا ۱۲۸۸ء

علاؤالدین ابوالحسن ابن ابوالحسن ابن النفیس القرشی شام کے شہر قریشیہ میں ۱۲۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابن نفیس پہلے سائنسدان ہیں جنہوں نے ریوی دوران خون کو دریافت کیا۔ اُن سے قبل دوران خون کا تصور واضح نہیں تھا۔ اِس نظریئے کے موجد کی حیثیت سے ابن نفیس نے شہرت حاصل کی۔ بعد میں قلب کے ان افعال سے متعلق جن کا تعلق دوران خون سے ہے جو تحقیقات ہوئی ہیں ان میں بڑی حد تک ابن نفیس کے افکار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ دوران خون کے نظریئے کی تشکیل میں ابن نفیس کا جو حصہ ہے اس کو مغربی مورخین سائنس بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تاریخ طب کو موجودہ لٹریچر یہ ثابت کرتا ہے کہ دوران خون کے جو نظریات دانستہ یا نادانستہ طور پر اہل مغرب اور خاص طور پر ہاروے سے منسوب کئے جاتے ہیں ان پر بنیادی کام ابن نفیس ہی کا ہے۔ ۱۲۸۸ء میں ابن نفیس کا قاہرہ میں انتقال ہوا۔

ذیابیطس شکری

(ابن طا...

ذیابیطس 2 قسم کی ہوتی ہے ایک ذیابیطس شکری اور دوسری ذیابیطس کاذب۔

ذیابیطس شکری میں خون میں شکر کی مقدار بڑھ جاتی ہے جس سے بار بار پیشاب آتا ہے۔ ذیابیطس کوئی نیا مرض نہیں ہے، اس کا وجود ساڑھے تین ہزار برس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ملتا ہے۔ سب سے پہلے Celsus نامی ایک یونانی طبیب نے اس کی تشخیص کی اور اس کو Diabets Mellitus کا نام دیا۔

چینی طب میں اس مرض کی نشاندہی مہاسوں اور پھوڑوں کے ساتھ ساتھ بکثرت پیشاب آنے سے کی گئی ہے۔ ہندوستانی اطباء کے خیال میں یہ مرض چاول، آٹا، چینی اور میدہ کے زیادہ استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔

علامات!

☆ ذیابیطس شکری کی آئیڈیل علامات میں شدید پیاس، بہت زیادہ بار بار پیشاب آنا، خصوصاً رات کے وقت، بہت زیادہ بھوک لگنا، معمولی کام سے تھکاوٹ اور وزن کی کمی شامل ہے

☆ نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

☆ بازوسن ہو جاتے ہیں یا درد ہوتا ہے، عضلات کمزور ہو کر تھک جاتے ہیں۔

☆ زبان خشک اور ہونٹ پھٹے ہوئے ہونگے۔

☆ نبض تیز ہوگی، بلڈ پریشر کم ہوگا۔

خوراک!

ذیابیطس کے مریضوں کے لئے سب سے ضروری چیز خوراک ہوتی ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں کی خوراک میں نشاستہ کی مقدار کم ہونی چاہیے۔ ایسے مریضوں کو تھوڑی تھوڑی غذا اگر دن کے مختلف اوقات میں دی جاتی رہے تو ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ یہاں ہم ذیابیطس کے مریضوں کے لئے 2000 کیلوریز پر مشتمل ایک جدول دے رہیں ہیں۔

اوقات	خوراک
7.30 بجے صبح	ابلا ہوا انڈہ، دو پیس ڈبل روٹی، چائے یا کافی بغیر شکر اور حسب

منشاء دودھ کے ساتھ۔

10.30 بجے صبح	دو پیس ڈبل روٹی، معمولی مکھن، ٹماٹر یا کھیرا وغیرہ، ایک پیالہ چائے (بغیر شکر)
1:30 بجے دوپہر	گوشت اور سبزی پکی ہوئی، دال اور چپاتی، پھل۔
4:30 بجے شام	گوشت اور چپاتی، چائے۔
7:30 بجے شام	سبزی ملا ہوا گوشت، دال چپاتی

ڈبل روٹی کی بجائے چپاتی استعمال کی جا سکتی ہے۔ ایک چھٹانک آٹا تقریباً دو پیس ڈبل روٹی کے برابر ہوتا ہے۔

ہومیو پیتھک طریقہ علاج:۔

Syzygium Q کے دس قطرے ہر چار گھنٹے کے بعد ایک اونس پانی میں ڈال کر لیں۔

روحانی طریقہ علاج:۔

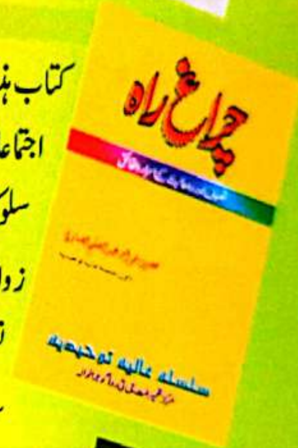
یہ نسخہ نمازی افراد کیلئے ہے۔ ذیابیطس کے لئے پارہ نمبر 15 آیت نمبر 80 ہر روز صبح شام بعد نماز تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر سات مرتبہ پڑھیں اور پانی پر دم کر کے پی لیں۔ انشاء اللہ شفا ہو گی۔ یہ عمل متواتر ڈیڑھ ماہ کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف



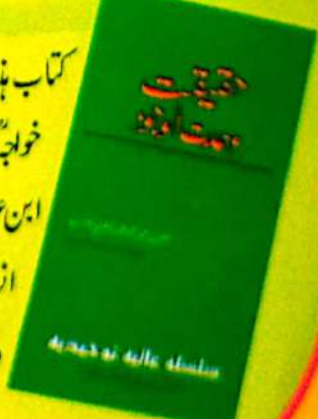
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے ... سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور ... کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔